حضرت اماں جان کے وجودِ گرامی کی اہمیت، تعمیر ربوہ اور مخالفین

از
سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

حضرت اماں جان کے وجودِ گرامی کی اہمیت، تعمیر ربوہ اور مخالفین

(فرمودہ 27 دسمبر 1952ء بر موقع جلسہ سالانہ بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

علالتِ طبع

"جلسے سے کچھ ایّام پہلے میری طبیعت پھر خراب ہونی شروع ہو گئی تھی۔ جسم کے مختلف حصّوں میں دردیں ظاہر ہونے لگیں اور نزلہ کی طرف بھی طبیعت مائل ہو گئی جس کی وجہ سے گلا اتنا ماؤف ہو گیا کہ کل رات جب مَیں کھانا کھا رہا تھا تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ لقمہ گلے کو چیرتا ہؤا اندر جا رہا ہے۔ کچھ تکلیف تو پہلے ہی تھی لیکن آج عورتوں کی بیعت کے موقع پر بدانتظامی اور شور کی وجہ سے اس میں اَور اضافہ ہو گیا ہے۔ مگر چونکہ دوست بڑی تعداد میں آئے ہیں اِس لئے مَیں تقریر کو چھوڑ بھی نہیں سکتا۔

مستورات سے خطاب

عام تقریر شروع کرنے سے قبل مَیں مستورات کو توجّہ دلاتا ہوں کہ تمہارے ذمّہ مسجد ہالینڈ کی تعمیر کا چندہ ہے، اسی طرح لجنہ کے دفاتر کی تعمیر کے سلسلہ میں بھی قرضہ ابھی باقی ہے، تمہیں اس بوجھ کو اُتارنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تمہارے اندر قربانی کا جذبہ مردوں سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ تمہیں خدا نے قربانی ہی کی جنس بنایا ہے۔ ماں، بہن اور بیٹی کی حیثیت میں محنت اور قربانی کے جو نظارے عورتوں میں نظر آتے ہیں وہ ایک دفعہ تو انسانی دل کو

کپکپا دیتے ہیں۔ مرد بھی بے شک بڑی بڑی قربانی کرتے ہیں مگر جو روح فدائیت کی عورتوں میں نظر آتی ہے وہ مافوق الانسانیت معلوم ہوتی ہے۔ پس تمہیں اپنے اس امتیاز کو قائم رکھنا چاہئے اور اپنے ذمّے جو چندے اور فرائض ہیں انہیں پورا کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ تمہیں اپنے اندر انتظام کی عادت بھی ڈالنی چاہئے۔ لجنہ کا فائدہ کیا ہؤا اگر ہماری مستورات میں بھی بد نظمی جاری رہے۔ اصل میں تو انتظام کا شعبہ خدا نے تمہارے ہی سپرد کیا ہؤا ہے۔ اگر تم اس کو نہ کرو تو اور کس نے کرنا ہے؟

جلسہ سالانہ کے انتظامات

بے شک اگر انتظامات میں کوئی خامی دیکھو تو اس کی اصلاح کی خاطر اس کی رپورٹ کرو مگر اس قدر نہ بڑھ جاؤ کہ منتظمین کو انتظام قائم رکھنے میں ہی دقّت ہو جائے۔ دراصل ایسے موقع پر ایک حد تک تکلیف ضرور ہوتی ہے اور اسی میں مزہ ہوتا ہے۔ خدا کی راہ میں جو لُطف تکلیف اُٹھانے میں ہوتا ہے وہ آرام میں نہیں ہوتا اور یہاں تو دراصل کوئی مہمان ہوتا ہی نہیں۔ ربوہ کی آبادی ابھی اتنی کم ہے کہ اس کے لئے اتنے مہمانوں کا انتظام کرنا ناممکن ہے اس لئے تمہیں اپنے آپ کو خود ہی مہمان اور خود ہی میزبان سمجھنا چاہئے۔ دوسری طرف منتظمین کو بھی چاہئے کہ کمزور طبائع کے ساتھ نرمی اور درگزر کا سلوک کریں۔

الفضل اور ریویو کی اشاعت بڑھانے کی تحریک

مَیں اصل تقریر سے قبل الفضل کی اشاعت کو بڑھانے کی بھی تحریک کرتا ہوں۔ اس سال الفضل کا خاتم النّبیین نمبر شائع ہؤا تھا اور وہ فتنے کے ایّام میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے باقی سارے لٹریچر سے زیادہ کامیاب رہا۔ اس کا مضمون ایک تھا مگر اس کے متعلق مختلف پہلوؤں کو جمع کر دیا گیا تھا۔ گویا وہ ایک باغیچہ تھا جس میں مختلف پھل اور پھول جمع کر دیئے گئے تھے مگر خوبی یہ تھی کہ وہ سب ایک ہی قسم کے تھے۔ چنانچہ ختم نبوت کے مسئلہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریریں، قرآن مجید کی آیات، احادیث نبویہ اور ائمہ سلف کے خیالات کو جمع کر دیا گیا تھا تاکہ ہر قسم کی طبائع کو اپنے اپنے مذاق کے مطابق مواد مل

سکے۔ جماعتوں کی طرف سے جو اطلاعیں آئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے مخالفوں نے بھی مانگ مانگ کر یہ پرچہ پڑھا ہے۔ اِن میں سے متعدد نے بعد میں اِس خیال کا اظہار کیا کہ پہلے ہم احمدیت کو ایک خلافِ اسلام تحریک سمجھتے تھے مگر اس نمبر کو پڑھنے سے معلوم ہؤا کہ احمدی اسلام کے یا قرآن کے منکر نہیں ہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں سے ان کا اختلاف محض تاویل کا اختلاف ہے۔ متعدد جماعتوں نے خاتم النّبیین نمبر کے متعلق لکھا کہ اس کی اشاعت کے بعد مخالفت کی رَو بدل گئی۔ پس الفضل کی اشاعت کو بڑھانے کی کوشش کرو۔ سالہا سال سے اس کی اشاعت 20 اور 25 کے درمیان ہی گھوم رہی ہے حالانکہ جماعت پھیل رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ روزانہ اخبار ہونے کی وجہ سے اس کا چندہ زیادہ ہے مگر کمزور جماعتیں مل کر خرید سکتی ہیں۔ اسی طرح اگر افراد بھی اکیلے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو دو دو، تین تین، چار چار مل کر خرید سکتے ہیں۔ پس مَیں احباب کو تحریک کرتا ہوں کہ الفضل کی اشاعت کو بڑھانے اور ترقی دینے کی کوشش کرو۔

اسی طرح انگریزی کا رسالہ ریویو ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے زمانہ کی جماعت کے لحاظ سے اس کے کم از کم دس ہزار خریدار ہونے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی اور موجودہ تعداد کے لحاظ سے تو اب اس کے لاکھوں تک خریدار ہونے چاہئیں لیکن اگر یہ نہ بھی ہو تو کم از کم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش کو تو پورا کرنے کی کوشش کرو۔ باہر سے جو خطوط آتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی ممالک میں لوگ اس سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اسی طرح خدّام اور لجنہ کے رسالوں کی اشاعت بڑھانے کی بھی مَیں تحریک کرتا ہوں۔ لجنہ کو شکایت ہے کہ اس کے رسالہ سے عورتیں پورا تعاون نہیں کرتیں۔ مگر مجھے اس پر تعجب ہے کہ عورتیں اپنے رسالہ کی پرورش نہ کریں کیونکہ اگر انہیں یقین ہو کہ یہ چیز اپنی ہے تو پھر ان سے یہ اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس کی پرورش اور نگرانی نہ کریں اور خدّام کے رسالہ کے متعلق تو مجھے کچھ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ان کی جوانی کا زمانہ ہے ہمت اور طاقت کے

ایّام میں ان کا تو یہ کام ہے کہ وہ بوڑھوں کی بھی مدد کریں اور الفضل کی اشاعت بھی بڑھائیں۔ کجا یہ کہ اپنے رسالہ کو نہ چلا سکیں۔

پاکستان کے بنیادی اصولوں کے متعلق سفارشات

تفصیلی طور پر تو ابھی مجھے اس کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا مگر دو باتوں کے متعلق عام طور پر اخبارات میں احتجاج کیا جا رہا ہے ایک تو اس امر پر کہ مغربی اور مشرقی پاکستان میں برابری کا اصول کیوں رکھا گیا ہے اور دوسرا فیڈرل سسٹم پر۔ میرے نزدیک اصل پوائنٹ جو مُلک کے لئے بہت مُضر ہے یہ ہے کہ مولویوں کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ جس امر پر چاہیں اعتراض کریں اور قانون سازی میں رکاوٹ ڈالیں۔ یہ خیال غلط ہے کہ مولویوں کے صرف ایڈوائزری بورڈ بنائے گئے ہیں انہیں اختیارات نہیں دیئے گئے۔ میرے نزدیک ایسا سمجھنے والے مولویوں کی ذہنیت سے ناواقف ہیں۔ ترکی میں جب مولویوں کو حکومت میں اقتدار حاصل ہوا تو وہاں یہ حالت ہو گئی کہ اُنہوں نے بات بات پر فتویٰ بازی شروع کر دی اور قوم کو خانہ جنگی میں مبتلا کر دیا۔ اگر یہاں بھی ان لوگوں کو پنپنے کا موقع دیا گیا تو یہی حالت ہو جائے گی۔

مجھے تعجب ہے کہ یہ عالم اور مولوی کہلانے والے ایڈوائزری بورڈ کے راستہ کی بجائے انتخاب کے راستے سے کیوں حکومت میں اقتدار حاصل نہیں کرتے۔ اگر وہ واقعی قوم کے نمائندے ہیں جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو پھر انہیں اسمبلی کا ممبر ہونا چاہئے نہ کہ ایڈوائزری بورڈ کا اور اگر وہ اسمبلی کے ذریعہ قوم کے نمائندے نہیں بنتے تو پھر دو باتوں میں سے ایک ضرور ماننی پڑے گی۔ یا تو یہ کہ قوم ان کی مزعومہ "اسلامی حکومت" نہیں چاہتی اور یا یہ کہ وہ قوم کے نمائندے نہیں ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں صاف ظاہر ہے کہ ان کے ایڈوائزری بورڈ کی کیا حیثیت ہو گی۔

مشرقی بنگال اور مغربی پاکستان میں برابری

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مشرقی بنگال کو مغربی پاکستان کے مساوی نمائندگی کیوں دی گئی ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام کی رو سے

تمام مسلمان برابر ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان مسلمان ہو گئے ہیں؟ کیا مغربی پاکستان میں صوبائی عصبیت موجود نہیں ہے؟ کیا سرحد، بلوچستان اور سندھ میں یہ روح نہیں پائی جاتی؟ مَیں تو سمجھتا ہوں کہ بنگال مستحق مبارکباد ہے جو تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود برابری پر راضی ہو گیا۔ پس میرے نزدیک بے شک اس برابری پر اعتراض کیا جائے مگر اس وقت جب خود مغربی پاکستان کے صوبوں میں عصبیت کی روح نہ رہے اور جب مغربی پاکستان خود اپنے اندر اسلامی روح پیدا کر کے مشرقی بنگال کے دل کو موہ لے اور عملی قربانی کا نمونہ پیش کرے، جب دل صاف ہو جائیں گے تو پھر بے شک بنگال والوں کی بد گمانی کو نا مناسب قرار دینا مگر خود ایسا تعصّب کرنا اور پھر اس برابری پر اعتراض کرنا ہمارے مُنہ سے زیب نہیں دیتا۔

میرے نزدیک ایک بڑی بھاری کوتاہی ان سفارشات میں یہ ہوئی ہے کہ کشمیر کے پاکستان میں داخل ہونے کے متعلق کوئی دفعہ نہیں رکھی گئی حالانکہ سفارشات میں یہ ہونا چاہیئے تھا کہ اگر کوئی نیا مُلک یا رقبہ پاکستان میں شامل ہو تو اسے کن اصولوں کے ماتحت نمائندگی دی جائے گی۔" (الفضل 31 دسمبر 1952ء)

"یہ تو ابتدائی باتیں تھیں اب میں اصل تقریر کو لیتا ہوں۔

وفات حضرت امّاں جان

میرے نزدیک اس سال کا بلکہ ہماری جماعت کی تاریخ میں سے ایک خاص عرصہ کا اہم واقعہ وفات حضرت امّاں جان ہے۔ حضرت امّاں جان ایک زنجیر تھیں ہمارے درمیان اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درمیان۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ نام اولاد کے ذریعہ چلتا ہے لیکن اولاد پھل تو ہے، درخت کا اپنا حصّہ نہیں۔ ہاں ایسی بیوی جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حصّہ ہو گی وہ بے شک حصّہ حقیقی معنوں سے ہی ہو گی، گو ہر بیوی میں یہ قابلیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے خاوند کا حصّہ ہونے کا حق ادا کرے۔ تم آم کے درخت کے آدھے حصّہ کو کہتے ہو کہ یہ درخت کا ایک حصّہ ہے۔ یعنی تمہارے سامنے کیسے ہی عمدہ لنگڑے آم رکھ دیئے جائیں

تم انہیں آم کے درخت کا حصّہ نہیں کہہ سکتے۔ تو حضرت امّاں جان کی وفات کے ساتھ وہ مادی زنجیر جو ہم نے اپنے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی تھی ٹوٹ گئی ہے۔ آپ کی وفات کے ساتھ وہ مادی واسطہ جو ہمارے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درمیان تھا جاتا رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ عام حالات سے زیادہ جو ان کے متعلق بات تھی وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہامات میں آدم کا نام دیا گیا ہے اور قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ تمام انبیاء میں سے خصوصیت کے ساتھ جس نبی کے کاموں میں اس کی بیوی کو شریک کیا گیا ہے وہ حضرت آدمؑ ہیں جو باقی انبیاء آتے رہے یہ نہیں کہ ان کی بیویاں ادنیٰ درجہ کی تھیں۔ بے شک وہ بھی بڑے اعلیٰ درجہ کی تھیں لیکن الٰہی حکمت کے ماتحت جس طرح حضرت آدمؑ کی شریک حال حضرت حوّا کو بنایا گیا اس طرح دوسرے انبیاء کی بیویوں کو نہیں بنایا گیا۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کا نام جو آدم رکھا گیا ہے اور آپ کی بعثت کو جو آدمؑ کی بعثتِ ثانیہ قرار دیا گیا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کی بیوی کو آپ کے کاموں میں شریک کیا گیا ہے۔ مگر اس حد تک بات ہوتی تو یہ صرف ایک منطقی نتیجہ ہوتا لیکن میں اب بتاتا ہوں کہ اس کا ایک معیّن ثبوت ملتا ہے۔ احادیث میں آیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسیح موعودؑ کے متعلق فرماتے ہیں یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَهٗ[1] کہ وہ شادی کرے گا اور اس کے ہاں اولاد ہوگی۔ ظاہر ہے کہ شادی تو سارے انبیاء نے کی تھی سوائے حضرت مسیح علیہ السلام کے۔ جن کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے شادی نہیں کی لیکن قرآن کریم سے جو کچھ ثابت ہے یہی ہے کہ سب نبیوں کی بیویاں بھی تھیں اور بچے بھی تھے۔ کیونکہ فرماتا ہے۔ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً[2] یعنی ہم تجھ سے پہلے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیویاں اور بچے عطا فرمائے تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب رسولوں کی بیویاں تھیں اور ان کے ہاں اولاد بھی تھی۔ پس حضرت مسیح ناصری اس گروہ سے الگ نہیں ہوسکتے۔ اس کے باوجود جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَهٗ وہ شادی بھی کرے گا اور اس کے ہاں اولاد بھی ہوگی تو اس کا

کیا مطلب تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سب سابق مامورین ایسا ہی کر چکے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں خصوصیت کے ساتھ ایک بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپؑ کی بیوی آپؑ کی شریکِ حال بننے والی تھی اور چونکہ یہ ایک خصوصیت تھی جس میں سب سابق مامور شامل نہ تھے سوائے چند کے جن میں سے نمایاں مثال حضرت آدمؑ کی تھی۔ پس یَتَزَوَّ جُ وَیُوْلَدُلَہٗ کے الفاظ سے آنے والے موعود کی بیوی کی اہمیت ظاہر کی گئی تھی۔ پھر ہم اس زمانہ سے نیچے آتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمتِ محمدیہ کے بعض اور بزرگوں نے بھی اپنی پیشگوئیوں میں یہ بات بیان کی ہے۔ حضرت امّاں جان دہلی کی رہنے والی تھیں۔ آپ کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ خواجہ محمد ناصر تھے۔ آپ کے والد بادشاہِ وقت کے خاص درباریوں میں سے تھے اور نواب کا خطاب رکھتے تھے اور خواجہ محمد ناصر بھی فوجی افسر تھے۔ آپ کے وقت کا بادشاہ محمد شاہ تھا۔ ایک دن الٰہی منشاء معلوم کر کے آپ نے محمد شاہ کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ آپ کو اس نے بہت سمجھایا کہ استعفیٰ واپس لے لو۔ آپ کا مستقبل بہت روشن ہے لیکن آپ نے کہا میری خدا تعالیٰ سے لَو لگ گئی ہے۔ اب مَیں یہ خدمت سرانجام نہیں دے سکتا۔ چنانچہ آپ گھر آ گئے اور عبادت میں لگ گئے۔

ایک دن آپ دروازے بند کر کے عبادت کر رہے تھے اور حجرہ میں بیٹھے بیٹھے کئی دن اور کئی راتیں گزر گئیں تھیں کہ آپ کو کشف میں امام حسن علیہ السلام نظر آئے۔ حضرت امام حسن نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ مجھے میرے نانا نے بھیجا ہے کہ مَیں تم کو آپ ﷺ کی طرف سے روحانیت کی خلعت دے آؤں۔ آپؐ نے فرمایا کہ خواجہ محمد ناصر سے کہہ دینا کہ یہ تحفہ جو تمہیں ملتا ہے ایسا ہے جس میں تجھے مخصوص کیا گیا ہے اس لئے تم اپنے طریقہ کو طریقۂ محمدیہ کہو اور فرمایا:

''یہ ایک خاص نعمت تھی جو خانوادۂ نبوت نے تیرے واسطے مخصوص رکھی تھی اس کی ابتدا تجھ پر ہوئی ہے اور انجام اس کا مہدیٔ موعودؑ پر ہو گا۔[3] گویا خواجہ محمد ناصر جو خواجہ میر درد کے والد اور حضرت امّاں جان کے پڑنانا تھے کو

دو سو سال پہلے خدا تعالیٰ نے بتایا تھا کہ تمہارا سلسلہ مہدئ موعودؑ سے مل جائے گا۔ اب ملنے کے دو ہی معنے ہیں۔ یا تو خواجہ صاحب خود حضرت مہدئ موعود کے مرید ہوتے لیکن مرید تو خواجہ صاحب ہوئے نہیں کیونکہ آپ مہدی موعود کے ظہور سے بیسیوں سال پہلے فوت ہو گئے اور یا پھر آپ کے خاندان کا رشتہ آنے والے مہدی کے خاندان کے ساتھ ہو جاتا اور خدا تعالیٰ نے یہی دوسرا طریق اختیار کیا۔ یعنی آپ کی نواسی کی شادی مہدی موعودؑ سے ہوئی اور اس طرح خواجہ صاحب کا سلسلہ محمدیہ اور حضرت مہدی موعودؑ کا سلسلہ دونوں مل گئے۔ بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ میخانۂ درد میں لکھا ہے کہ گدّی پر بیٹھنے کا کسی اور خاندان کا حق تھا لیکن الٰہی منشاء یہ تھا کہ وہ اس نسل کو بدل دے۔ سیّد محمد نصیر صاحب جو اپنے ماموں محمد بخش کے لاولد فوت ہو جانے کی وجہ سے ان کی گدّی پر بیٹھے تھے ان کی وفات پر خلافت کا جھگڑا اُٹھا تو خاندان کی ایک بڑھیا عورت سے مشورہ کیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ جس کو وہ کہے اسے گدّی پر بٹھا دیا جائے۔ چنانچہ اس بڑھیا نے مشورہ دیا کہ اپنے بزرگوں کا ہم پلّہ خاندان میں تو کوئی نظر نہیں آتا اس لئے میرے نزدیک میاں ناصر میر جو خواجہ محمد نصیر صاحب کے نواسہ ہیں انہیں گدّی پر بٹھا دیا جائے۔ میاں ناصر میر کے خلیفہ منتخب ہو جانے کے بعد سلسلہ محمدیہ منتقل ہو کر ایک دوسرے خاندان میں آ گیا۔ جو ماں کی طرف سے خواجہ میر درد کا خاندان تھا اور باپ کی طرف سے نواب خاندوران خان[4] کا خاندان تھا۔ یہ گویا دوسری پیشگوئی تھی کہ سلسلہ محمدیہ اب مہدی موعودؑ کے سلسلہ میں مدغم ہو جائے گا۔ پھر اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے:

"اور یہ نسبت محمدیہ الخالصہ حضرت امام موعودؑ کی ذات پاک پر ختم ہو گی اور تمام جہان ایک نور سے روشن ہو گا اور اس نیرِّ اعظم کے انوار میں سب فرقوں کے ستاروں کی روشنی گم ہو جائے گی"۔[5]

یعنی خصوصیت سے جو یہ سلسلہ بنایا جا رہا ہے یہ حضرت مہدی معہودؑ پر ختم ہو جائے گا پھر ایک نیا سلسلہ قائم ہو گا۔ اس میں بھی پہلی پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے دو ہی معنے تھے کہ یا تو آپ کی اولاد میں سے مہدی ہو یا ان کی بیٹی مہدی موعود کے ساتھ بیاہی جائے۔ یہ دونوں اقتباسات میخانۂ درد کے ہیں جو ناصر خلیق ابن ناصر نذیر فراق کی تصنیف ہے۔

پھر حضرت امّاں جان کے وجود کی اہمیت کا پتہ اس بات سے بھی لگتا ہے کہ ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ کسی کو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ یہ شادی ہو گی بھی یا نہیں کہ اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہؤا جو تذکرہ کے صفحہ 29 پر درج ہے۔ یہ الہام شادی سے تین سال قبل ہؤا کہ اُشْکُرْ نِعْمَتِیْ رَأَیْتَ خَدِیْجَتِیْ[6] تُو میری نعمت کا شکر کر کہ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مددگار کے طور پر حضرت خدیجہؓ ملی تھیں اسی طرح تجھ کو بھی خدیجہ ملنے والی ہے۔ یہ الہام اس وقت ہؤا جب ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ یعنی یہ بھی نہیں تھا کہ شادی ہو جانے کی وجہ سے حضرت امّاں جان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی خدمت کی ہو جس کی بناء پر خدا تعالیٰ نے آپ کی تعریف کی ہو بلکہ ابھی تک شادی کا نام بھی نہیں تھا۔ یہ الہام 1881ء میں ہؤا اور شادی 1884ء میں ہوئی۔

پھر اس الہام کے قریب ایک اور الہام ہؤا جو تذکرہ صفحہ 36 پر درج ہے اور وہ یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الصِّھْرَ وَ النَّسَبَ[7]

خدا تعالیٰ ہی کو سب تعریف حاصل ہے جس نے تمہارے لئے سسرال بھی بڑے اعلیٰ درجہ کے تجویز کئے اور تم کو بھی ایک اعلیٰ خاندان سے پیدا کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر اس الہام کو بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہ الہام بھی شادی سے تین سال پہلے کا ہے۔ یہ جو سسرال کی تعریف کی گئی ہے مَیں سمجھتا ہوں کہ اس میں خواجہ محمد ناصر کی پیشگوئی کی طرف اشارہ تھا جس میں کہا گیا تھا کہ ان کا سلسلہ محمدیہ، مہدی معہودؑ کے سلسلہ سے مل جائے گا۔ مہدی معہودؑ خواجہ محمد ناصر کی اولاد میں سے تو نہ ہوئے۔ ہاں آپ کی ایک نواسی ان سے بیاہی گئی اور اس طرح یہ سلسلہ محمدیہ،

مہدی معہودؑ کے سلسلہ سے مل گیا اور وہ پیشگوئی ظاہری طور پر بھی پوری ہوگئی۔

پھر شادی سے ایک سال پہلے یہ الہام ہوا کہ یَآ اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ [8] کہ اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں اکٹھے رہو۔ یہ الہام تذکرہ صفحہ 69 پر درج ہے اور 1883ء کا ہے۔ ابھی بیوی آئی نہیں کسی کو یہ پتہ نہیں کہ شادی ہوگی بھی یا نہیں کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتاتا ہے کہ بیوی آرہی ہے تُو اور تیری بیوی ایک جنت میں رہو۔ اب دیکھو ان پیشگوئیوں کا آپس میں کیسا گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیشگوئی فرماتے ہیں کہ مہدی معہودؑ شادی کرے گا اور اس کے ہاں اولاد ہوگی۔ پھر حضرت خواجہ میر ناصر پیشگوئی فرماتے ہیں کہ ان کا سلسلہ محمدیہ مہدی معہودؑ کے سلسلہ کے ساتھ مل جائے گا۔ یعنی میرا مہدی معہود سے ایسا رشتہ ہو جائے گا کہ میرا سلسلہ اس کے سلسلہ میں مدغم ہو جائے گا۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے شادی سے تین سال قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا ہے کہ ایک عورت ایسی آنے والی ہے جو تیرے کاموں میں اسی طرح مددگار ہوگی جیسے حضرت خدیجہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں مددگار تھیں۔ پھر فرماتا ہے تو اور تیری بیوی دونوں اکٹھے جنت میں رہو گے۔ تمہاری زندگی خوشی کی زندگی ہوگی۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تمہاری مقامِ قُرب میں وفات ہوگی اور تم دونوں کا جنت میں اکٹھا مقام ہوگا۔ یہ الہام 1883ء کا ہے جو تذکرہ صفحہ 69 پر درج ہے۔

پھر ساتھ ہی الہام ہوا یَآ اَحْمَدُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ [9] اے احمد! تُو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ بعض متشکک طبائع ہوتی ہیں وہ کہہ سکتی ہیں کہ یہاں حضرت آدمؑ کا ذکر ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا نہیں اس لئے ایک طرف تو یہ الہام کیا کہ یَآ اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ اور دوسری طرف یہ الہام کیا کہ یَآ اَحْمَدُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ۔ گویا یہ بتایا کہ جب ہم نے آدم کا لفظ کہا ہے تُو اس سے مراد تُو ہے یعنی اس الہام میں نام لے کر بتا دیا کہ تو اور تیری بیوی اکٹھے جنت میں رہو۔

اب لوگ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے ہمیں یہ الہام سنا دیا ہمیں اس سے خوشی ہوئی

لیکن یہاں یہ شُبہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو کہا تھا اے آدم اور اے احمد! تُو اور تیری بیوی اکٹھے جنت میں رہو لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیان میں دفن ہیں اور حضرت امّاں جان ربوہ میں دفن ہوئیں۔ یہ اکٹھے کیسے ہوئے۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے الہام میں یہ نہیں کہا کہ یَآ اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ فِی الْمَقْبَرَۃِ الْجَنَّۃِ۔ کہ اے آدم! تُو اور تیری بیوی دونوں بہشتی مقبرہ میں رہو بلکہ یہ کہا ہے کہ تُو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو۔ اب جنت میں تو سب اکٹھے ہوتے ہیں اگر اس سے دُنیوی زندگی مراد ہے تو آپ دونوں اکٹھے رہے اور اگر اس سے اُخروی زندگی مراد ہے تو جنت میں آپ دونوں اکٹھے ہو جائیں گے۔ جنت کے لئے یہ سوال نہیں ہوتا کہ کوئی شخص مکّہ میں فوت ہو یا مدینہ میں، عرب میں فوت ہو یا جاپان میں فوت ہو، یا امریکہ میں فوت ہو۔ جنت میں سب لوگ اکٹھے ہوں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ایک پیشگوئی ہے اور مومنوں کے لئے اس میں ایک بشارت دی گئی ہے۔ اس الہام کے الفاظ ایسے ہیں کہ وہ اپنا مضمون بھی پورا کر جاتے ہیں اور مومنوں کے لئے اس میں ایک بشارت بھی ہے اور وہ بشارت یہ ہے کہ اگر یہاں جنت کے معنی مقبرہ بہشتی کے لئے جائیں تو یہ پیشگوئی بن جاتی ہے کہ اے احمد! تُو اور تیری بیوی اس مقبرہ بہشتی میں دفن ہوں گے۔ یعنی تمہارے لئے یہ مقدر تھا کہ قادیان سے ہجرت ہو گی تم قادیان سے نکالے جاؤ گے۔ تمہارے دل زخمی ہوں گے سو تم گھبرا کر کہو گے کہ یاالٰہی اب کیا کریں۔ ہم نے حضرت امّاں جان کو قادیان سے باہر دفن کیا ہے لیکن تو نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ آپ مقبرہ بہشتی میں دفن ہوں گی تو اس الہام میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ مَیں انہیں قادیان پہنچاؤں گا۔ گویا مومنوں کو یہ امید دلائی گئی ہے اور یقین دلایا گیا ہے کہ مَیں تمہیں قادیان ضرور دوں گا اور حضرت امّاں جان مقبرہ بہشتی میں دفن ہوں گی۔ پس خدا تعالیٰ نے پہلے سے یہ پیشگوئی کر دی اور بتا دیا کہ حضرت امّاں جان کا یہاں آنا تمہارے لئے تسلی کا موجب ہے کہ تم ضرور قادیان واپس جاؤ گے۔

تیسرے خدا تعالیٰ نے تمام پیشگوئیوں میں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

پیشگوئیوں کا متمم قرار دیا ہے۔ متعدد پیشگوئیاں پچھلے انبیاء کی بھی ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں سے بھی اس کا پتہ لگتا ہے۔ جیسے مصلح موعود کی پیشگوئی میں بتایا گیا ہے اور پھر خدا تعالیٰ نے مجھے بھی کئی دفعہ اس کے متعلق اشارہ کیا ہے لیکن چونکہ مَیں مامور نہیں ہوں اِس لئے مَیں ان باتوں پر زور نہیں دیتا۔ مامور اپنے الہامات کو دُہراتا رہتا ہے اور اس کے الہامات لوگوں کے کانوں میں بار بار پڑتے رہتے ہیں اس لئے وہ باتیں پکّی ہو جاتی ہیں۔ مَیں اپنی رؤیا کا ذکر تو کر دیتا ہوں لیکن یہ ذکر بر سبیلِ تذکرہ ہوتا ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ ان کی ہر وقت تبلیغ ہوتی رہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک بار بار لوگوں کے کانوں میں کوئی بات نہ ڈالی جائے متشکک طبائع کو شُبہ رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کا مُنہ بند کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت امّاں جان کو زندگی دی اور آپ کو ربوہ میں میرے ساتھ لایا اس لئے کہ مسیح اوّل نے جب ہجرت کی تھی تو اُن کی والدہ اُن کے ساتھ آئی تھیں اور وہیں دفن ہوئی تھیں جہاں حضرت مسیحؑ ہجرت کر کے گئے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ حضرت امّاں جان کو میرے ساتھ لایا تا متشکک لوگ یہ نہ کہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو مشابہت مسیح اوّل سے تھی وہ آپ کے وجود پر پوری نہیں ہوئی آپ کے بیٹے پر پوری ہوئی۔ جماعت کے بعض منافق لوگ جن کا مجھے علم ہے اور جن کی باتیں مجھے پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے بعض دلیری سے اپنی مجالس میں اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ربوہ کا بہشتی مقبرہ بنا تو ایسے لوگ اپنی مجالس میں اکثر کہتے رہتے ہیں کہ یہ بات تو عجیب ہے کہ جہاں چاہا مقبرہ بہشتی بنا لیا۔ وہ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ بعض لوگ ایسے مقام پر کھڑے ہوتے ہیں کہ ان کے مقبرہ بہشتی بنانے سے مقبرہ بہشتی بن جاتا ہے۔ تمہارا اس میں کیا اختیار ہے لیکن چونکہ میں مامور نہیں اس لئے یہ بات بار بار دُہرا نہیں سکتا لیکن منافق اپنی مجالس میں اس بات کا ذکر کرتے رہتے ہیں کہ یہاں بھی بہشتی مقبرہ بن گیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت امّاں جان کو یہاں دفن کروا دیا ہے۔ ایسا کیوں ہوُا۔ اب یہ لوگ بتائیں کہ یا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ پیشگوئی غلط ہوئی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ یَآ اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ۔

کیونکہ آپ خود تو قادیان میں دفن ہوئے اور حضرت امّاں جان یہاں ربوہ میں دفن ہوئیں اور یا اس الہام نے یہ بتادیا ہے کہ یہ مقبرہ بھی بہشتی مقبرہ ہے اور قادیان کے بہشتی مقبرہ کا ہی ایک حصّہ ہے۔ گویا اس بہشتی مقبرہ کے بنانے میں جو مُشکل میرے سامنے آئی تھی الٰہی فعل نے اسے حل کر دیا۔ مَیں مامور نہیں تھا، میری زبان بند تھی، مَیں ایسے مقام پر نہیں تھا کہ اس اعتراض کا جواب دے سکوں۔ سو خدا تعالیٰ نے حضرت امّاں جان کو یہاں دفن کر کے ان لوگوں کا مُنہ بند کر دیا۔ اب انہیں یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام کہ یَآاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ اور یَآ اَحْمَدُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ جھوٹا تھا کیونکہ آدم وہاں دفن ہیں اور حوّا یہاں۔ احمد وہاں دفن ہیں اور ان کی بیوی یہاں اور یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ یہ جگہ بھی بہشتی مقبرہ ہے۔ غرض اس الہام نے یہ واضح کر دیا کہ میرا قدم خدا تعالیٰ کی منشاء کے عین مطابق تھا۔ اسی طرح وہ پہلی پیشگوئیوں کے بھی عین مطابق تھا۔ اس مقبرہ کو بِلا کم و کاست وہی پوزیشن حاصل ہے جو مقبرہ بہشتی قادیان کو حاصل ہے۔ پورے سو فیصدی سو میں سے ایک حصّہ بھی کم نہیں ورنہ یَآاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ والی بات نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹی تھی۔

اُوپر کے الہامات کے علاوہ ایک اور الہام بھی تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوًا اور وہ یہ ہے اِنِّیْ مَعَکَ وَ مَعَ اَھْلِکَ۔[10] یہ الہام 20 ستمبر 1907ء کو ہوًا اور تذکرہ صفحہ 677 پر درج ہے یعنی مَیں تیرے ساتھ ہوں اور تیرے اہل کے ساتھ ہوں اور اہل میں سے سب سے مقدم بیوی ہوتی ہے۔ پھر یہی الہام 21 ستمبر 1907ء کو بھی ہوًا۔ 5 نومبر 1907ء کو بھی ہوًا پھر 2 دسمبر 1907ء کو بھی یہ الہام ہوًا۔ گویا ایک سال کی آخری چہار ماہی میں یہ الہام چار دفعہ ہوًا۔

اب عجیب بات یہ ہے کہ ایک تو شادی سے پہلے یہ الہامات ہوئے جن میں حضرت امّاں جان کا ذکر تھا، پھر شادی کے قریب الہام ہوًا، پھر یہ سلسلہ ایک لمبے عرصہ تک بند رہا۔ پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہونے والی تھی تو بیوی کا ذکر

دوبارہ شروع ہو گیا۔ یہ کتنا بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اس کو توارد کون کہہ سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے قادیان میں پیدا کیا جو ایک گمنام بستی تھی۔ آپ کو ایک ایسے خاندان میں پیدا کیا جو اس زمانہ کے اعلیٰ درجہ کے خاندانوں میں سے ایک تھا پھر ایک پیر خاندان میں رشتہ کیا جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ ہمیں وہ کمال ملا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اَور کسی کو نہیں ملا۔ پھر بڑی مُشکل یہ تھی کہ حضرت امّاں جان کے والد حضرت میر ناصر نواب صاحب اہل حدیث تھے اور حضرت مسیح موعودؑ اہل حدیث کے نام سے گھبراتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ ان لوگوں میں روحانیت نہیں ہوتی یہ لوگ متشکک ہوتے ہیں اس خاندان میں آپ کی شادی ہوئی۔ شادی سے پہلے بیوی کا ذکر الہامات میں آتا ہے لیکن جب شادی ہو جاتی ہے تو یہ ذکر ختم ہو جاتا ہے۔ پھر عین تیس سال کے بعد جب حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو پھر الہامات میں بیوی کا ذکر آجاتا ہے۔ یہ کون سے اتفاق کی بات ہے۔ یہ تو ایک بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ غیب کی طاقت نے یہ خبر دی۔

پہلے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اب واقعہ کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ اس کا کیا مطلب تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے عین قریب بیوی کا ذکر آتا ہے یعنی اِنِّیْ مَعَکَ وَ مَعَ اَھْلِکَ۔

اِنِّیْ مَعَکَ وَ مَعَ اَھْلِکَ کے الہامات بار بار ہوتے ہیں۔ اس کے صاف معنے یہ ہیں کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی خبر دی جارہی تھی تو ساتھ ہی آپ کو یہ تسلّی دی جارہی تھی کہ تمہارے بعد تمہاری بیوی کے ہم خود کفیل ہوں گے اور حضرت امّاں جان کو بھی یہ تسلّی دی کہ گو تم سے تمہارا خاوند جُدا ہو گا مگر ہم جُدا نہیں ہوں گے۔ ہم تیرے ساتھ ہوں گے اور تیرے خود کفیل ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے پہلے تو آپ کا ذہن اس طرف نہیں جاسکتا تھا لیکن آپ کی وفات کے بعد جو فقرہ حضرت امّاں جان کی زبان پر بار بار آیا وہ یہی تھا کہ اے خدا! انہوں نے تو مجھے چھوڑ

دیا ہے مگر تو مجھے نہ چھوڑنا۔ یہ وہی مفہوم تھا جو الہام اِنِّیْ مَعَکَ وَ مَعَ اَھْلِکَ میں بیان کیا گیا تھا کہ ہم تیرے ساتھ ہوں گے اور تیرے اہل کے ساتھ ہوں گے اور پھر حضرت امّاں جان کی زبان سے بھی کہلوا دیا۔ پھر 19 جنوری 1908ء کو یہ الہام ہوتا ہے کہ اِنِّیْ مَعَکَ وَ مَعَ اَھْلِکَ ھٰذِہٖ [11] بعض تشککین جو ہمیشہ کریدتے رہتے ہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس الہام میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آدم کہا ہے۔ اب جس طرح اس سے مراد اصل آدم نہیں اسی طرح اہل سے مراد بھی اصل بیوی نہیں بلکہ یہاں جماعت مراد ہے۔ پس اس الہام کے ذریعہ ایسے لوگوں کی تسلی کر دی اور الہام میں بتا دیا کہ مَیں تیرے ساتھ ہوں اور تیرے اہل کے ساتھ ہوں جو یہ ہے یعنی اس بیوی کے ساتھ ہوں۔ جماعت تو ایک تھی دو نہیں تھیں۔ اس لئے ھٰذِہٖ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بیویاں دو تھیں اس لئے ھٰذِہٖ کہہ کر یہ بات پکّی کر دی کہ یہ وعدے خاص حضرت امّاں جان کے ساتھ ہیں۔

پھر 19 مارچ 1907ء کو خواب میں دیکھا حضرت امّاں جان آئی ہیں اور آپ کہتی ہیں کہ "مَیں نے خدا کی مرضی کے لئے اپنی مرضی چھوڑ دی ہے" یہ بھی اسی طرف اشارہ تھا کہ تم وفات پاؤ گے اور یہ صبر کا پورا نمونہ دکھائیں گی۔ آپ کہتے ہیں کہ مَیں نے ان کو جواب میں کہا "اس سے تو تم پر حُسن چڑھا ہے" [12] یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس فعل کو پسند کر کے تمہیں درجہ اور زینت عطا کی ہے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام تھا کہ "اسّی یا اس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم" [13] اِس الہام پر بعض غیر احمدی ملنٹے اعتراض کرتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں۔ خدا تعالیٰ کو تو شک نہیں پڑتا۔ کیا خدا تعالیٰ کو 85 یا 75 اور 76 کے ہندسے نہیں آتے۔ یہ کیا الہام ہے کہ "اسّی یا اسّی پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم" یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں لیکن یہ مولوی بھُول جاتے ہیں کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ یہ غلطی خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی کی ہے کیونکہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ حضرت یونس ؑ کی نسبت فرماتا ہے وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ [14] یونس کو ہم نے لاکھ یا شاید لاکھ سے کچھ زیادہ

کی طرف بھیجا۔ اب کیا خدا تعالیٰ کو لاکھ کا ہندسہ نہیں آتا تھا۔ جس خدا کو لاکھ کا ہندسہ نہیں آتا اس کو اسّی کا ہندسہ بھی بھول سکتا ہے۔ کوئی بات نہیں۔ اصل سوال تو بھول چُوک ہے۔ جب بھول چُوک ثابت ہوگئی تو اسّی اور لاکھ کا کیا سوال ہے۔

دراصل یہ حماقت کی بات ہے۔ یہاں کلام میں تحسین پیدا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ حسن کلام کے لئے ڈیفینیٹ (DEFINITE) بات پہلے بیان نہیں کی بلکہ الفاظ سے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ تم اسے لاکھ کہہ لو یا لاکھ سے زیادہ کہہ لو۔ مطلب یہ ہے کہ ہیں زیادہ۔ تو ایسے موقع پر اعداد کو بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر خدا تعالیٰ یہاں لاکھ کہہ دیتا تو لوگ کہتے اس کا ثبوت دو کہ وہ واقعی ایک لاکھ تھے۔ پس ایک طرف لاکھ یا کچھ زیادہ کہہ کر کلام میں حُسن پیدا کر دیا اور دوسرے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اندازہ ہے اور اندازہ پر کوئی کیا اعتراض کرے گا۔

پس اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے حُسنِ کلام کے لئے قرآن کریم میں مِائَۃِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ لاکھ یا لاکھ سے کچھ زیادہ کہا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی حُسنِ کلام کے لئے یہ طریق اختیار کیا گیا ہے لیکن اس کا ایک دوسرا جواب بھی ہے جو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے یَآ اَحْمَدُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ کہہ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت امّاں جان کو ایک قبر میں دفن کیا ہے اور دونوں کو ایک جگہ رکھا ہے گویا دونوں وجودوں کو ایک وجود قرار دیا ہے اور عمر کے الہام میں دونوں ہی کی عمر بتائی گئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام 75 سال کی عمر میں فوت ہوئے یعنی اسّی سے پانچ سال کم اور حضرت امّاں جان 85 سال کی عمر میں فوت ہوئیں یعنی اسّی سے پانچ سال زیادہ۔ گویا الہام میں جو وحدتِ وجود بتائی گئی تھی اس سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت امّاں جان دونوں کے وجود ہیں۔ ایک اسّی سال سے پانچ سال پہلے فوت ہو جاتا ہے اور ایک اسّی سے پانچ سال بعد فوت ہوتا ہے گویا الہام میں جس وجود کو ''تُو'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا تھا اس کا ایک حصّہ اسّی سے پانچ سال کم میں فوت ہو گیا اور ایک حصّہ اسّی سے پانچ سال زیادہ عمر پا کر فوت ہو گیا اب یہ کتنی زبردست پیشگوئی

بن جاتی ہے اور کس طرح اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دراصل یہ دو پیشگوئیاں ہیں اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس وجود کو ہم نے ایک قرار دیا تھا اس کا ایک حصّہ اسّی سے پانچ سال کم عمر پا کر فوت ہو گیا اور ایک حصّہ اسّی سے پانچ سال زیادہ عمر میں فوت ہو گیا۔ اب یہ کسی کے اختیار کی بات نہیں تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام 75 سال کی عمر میں فوت ہوئے اور آپ کی بیوی جو مریض تھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کا لٹریچر آپ کی مرض سے بھرا پڑا ہے وہ تو 85 سال کی عمر میں فوت ہوں۔ اس الہام کے یقیناً یہی معنے ہیں کہ اس کے ایک حصّہ میں ایک کی موت کی خبر دی گئی ہے اور دوسرے حصّہ میں دوسرے کی موت کی خبر دی گئی ہے۔

حضرت امّاں جان کو ایک پُرانی خواب آئی تھی۔ جب حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد آپ کی طبیعت گھبرانے لگتی تو آپ حضرت میر محمد اسماعیل صاحب کے گھر چلی جاتیں۔ میر صاحب کو آپ نے نہایت محبت اور اخلاص سے پالا تھا اور میر صاحب کو بھی اپنی بہن کا بہت احترام تھا۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے آپ جب گھبرا جاتیں تو میر صاحب کے ہاں چلی جاتیں۔ مجھے یہ بات بُری لگتی لیکن مَیں آپ کے ادب کی وجہ سے بولتا نہیں تھا۔ مَیں سمجھتا تھا کہ آپ کو مرکز میں رہنا چاہیئے۔ ایک دن آپ میر صاحب کے ہاں سے تشریف لائیں تو آپ نے بتایا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مَیں صَفر میں فوت ہوئی ہوں۔ میرا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ چلو اب موقع ہے انہیں مرکز میں ہی مستقل طور پر ٹھہرنے کے لئے کہہ دوں۔ مَیں نے کہا۔ امّاں جان! صفر ص سے کیوں، س سے کیوں نہیں۔ میرے نزدیک تو اس خواب میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ آپ سفر میں فوت ہوں گی اس لئے آپ سفروں سے پرہیز کریں۔ چنانچہ اس کے بعد آپ نے کوئی سفر نہیں کیا۔ میرے ساتھ سفر میں جاتی تھیں۔ یوں نہیں جاتی تھیں۔ جب آپ بیمار ہوتیں تو میری یہ کوشش تھی کہ مَیں انہیں پکّے مکانوں میں لے جاؤں تا سفر ہجرت کی حالت ختم ہو جائے۔ ابھی ہم کچے مکانوں میں ہی رہتے تھے۔ مَیں ڈاکٹروں سے کہتا اُن میں سے ایک حصّہ مان جاتا اور کہتا اچھی بات ہے وہاں کھلی ہوا ہو گی

لیکن جب میں پکّے مکانوں میں جانے کی تیاری کرتا تو ڈاکٹروں کا دوسرا حصّہ پہلے حصّہ کو منا لیتا کہ ابھی انہیں وہاں لے جانا اچھا نہیں اور ان کی رائے بدل جاتی۔ اس طرح آپ کی وہ خواب پوری ہو گئی۔ ہم قادیان سے نکلے اور پیشتر اس کے کہ ہم اپنے مستقل گھروں میں آئے۔ سفر ہجرت میں ہی مستقل مکانوں میں آنے سے پہلے آپ وفات پا گئیں۔

مَیں نے ایک ماہ پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ میرا ایک بڑا دانت جو دو دانت کے برابر تھا نکل گیا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ میرے لئے ماں اور باپ دونوں کی جگہ تھیں۔ پس آپ کی وفات کے ساتھ مَیں نے ان دونوں کو کھویا۔ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ۔

ایک عرصہ پہلے مَیں نے ایک رؤیا دیکھی تھی جو الفضل میں شائع ہو گئی ہے وہ اس طرح تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیمار ہیں اور آپ نے بعض دیسی دواؤں کے نام لئے ہیں (یہ رؤیا الفضل 7 اکتوبر 1951ء میں شائع ہو چکی ہے) شاید اس کا یہ مطلب تھا کہ طبیبوں کا علاج کیا جائے ڈاکٹروں کا علاج چھوڑ دیا جائے لیکن اُس وقت میرا ذہن اس طرف نہیں گیا۔ آپ کی وفات کی وجہ سے طبیعت پر ایسا اثر پڑا ہے کہ تین ماہ تو بخار چڑھتا رہا اور بائیں طرف نیم فالج کے دَورے بھی ہوتے رہے ہیں اور ابھی تک میں کام میں محنت نہیں کر سکتا اور جب سردی کا موسم آیا تو میری صحت اچھی ہونے لگی۔ جلسہ سے بیس دن پہلے میری طبیعت اچھی تھی۔ مَیں سمجھتا تھا کہ مَیں اچھا ہو گیا ہوں لیکن جب خشک سردی زیادہ ہو گئی تو میری طبیعت خراب ہو گئی اور جلسہ سے قبل دو دفعہ ضُعف کے دورے بھی ہو گئے۔ اس کی وجہ سے تفسیر کے کام میں بھی دیر ہو گئی ہے لیکن اب مَیں نے تفسیر کا کام شروع کر دیا ہے۔ میری آنکھوں میں چونکہ بچپن سے ہی ککرے ہیں اس لئے مَیں معمولی روشنی میں کام نہیں کر سکتا۔ بجلی آجائے گی تو مَیں راتوں کو زیادہ دیر تک بیٹھ کر کام کر سکوں گا۔ جلسہ کے دنوں میں دو دن رات کام کرنے بیٹھا تو آنکھوں میں خارش شروع ہو گئی۔

ربوہ کی تعمیر

دوسری بات مَیں تعمیر ربوہ کے متعلق لیتا ہوں۔ ربوہ کی تعمیر اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان ہے یعنی یہ ایک مثال ہے جو پاکستان اور ہندوستان میں پائی جاتی ہے کہ اتنی جلدی ایک اُکھڑی ہوئی قوم نے اپنا مرکز بنا لیا۔ جہاں تمہیں اَور فضائل دوسرے لوگوں پر حاصل ہیں وہاں یہ کیا کم فضیلت ہے۔ یہ ایک زندہ اور نمایاں فضیلت ہے جو تمہیں حاصل ہے۔ لوگ شور مچاتے ہیں کہ گورنمنٹ نے انہیں لاکھوں کی زمین کوڑیوں میں دے دی۔ زمین کیا دے دی۔ حکومت نے ایک اعلان شائع کیا تھا اور گورنمنٹ گزٹ میں یہ بات شائع ہوئی تھی کہ ہم یہ زمین بیچنا چاہتے ہیں کیا کوئی گاہک ہے جو یہ زمین خریدے۔ ہم نے کہا چلو ہم یہ زمین لے لیتے ہیں۔ جب کوئی اور گاہک نہ آیا تو حکومت نے ہمیں یہ زمین دے دی۔ بعد میں اگر کسی کو حسد ہو جائے تو اس کا کون ذمہ دار ہے۔

دو سال کا عرصہ ہؤا "زمیندار" نے یہ بات شائع کی کہ حکومت نے پچاس لاکھ کی زمین احمدیوں کو کوڑیوں میں دے دی۔ مَیں نے اسی وقت اسے ایک تار دیا کہ زمین حاضر ہے تم وہ گاہک لاؤ جو اس زمین کے بدلہ میں پچاس لاکھ روپیہ دے گا مَیں اسے زمین دے دوں گا اور پھر زائد رقم جو ملے گی وہ مَیں خود نہیں رکھوں گا بلکہ زائد رقم مَیں گورنمنٹ کے خزانہ میں جمع کروا دوں گا۔ میری تار کا اُس نے جواب نہ دیا اور وہ چُپ ہو گیا۔ اگر واقعہ یہ تھا کہ کوئی شخص اس زمین کی قیمت پچاس لاکھ روپیہ دیتا تھا تو چاہیئے تھا کہ "زمیندار" کا ایڈیٹر اسے آگے لاتا، اس زمین کی قیمت پچاس لاکھ تو کیا ہمیں اب پچاس کروڑ ملے گا لیکن یہ پچاس کروڑ روپیہ ملے گا اس مدرسہ کی وجہ سے جو یہاں بنا ہے، یہ روپیہ ملے گا اس کالج کی وجہ سے جو آئندہ یہاں بنے گا، یہ روپیہ ملے گا ہسپتال کی وجہ سے جو یہاں بنا ہے، یہ روپیہ ملے گا اس زنانہ کالج کی وجہ سے جو یہاں بنا ہے، یہ روپیہ ملے گا اس دینیات کالج کی وجہ سے جو یہاں بنا ہے، یہ روپیہ ملے گا ان دینی تعلیموں کی وجہ سے جو اس جگہ دی جا رہی ہیں۔ یہ روپیہ ربوہ کی زمین کی وجہ سے کسی کو نہیں ملے گا۔ اب اس زمین کو لے کر دیکھ لو۔

عمرو بن معدی کربؓ ایک مشہور سپاہی تھے۔ حضرت عمرؓ ان کی بہادری اور شمشیر زنی کے واقعات سُنتے رہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ بھی بہت بہادر تھے اور دلیر تھے لیکن عمرو بن معدی کربؓ کی طرح شمشیر زن نہیں تھے۔ ایک دفعہ عمرو بن معدی کربؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو آپؓ نے ان کی تلوار لے لی۔ آپؓ کو یہ شوق تھا کہ عمرو بن معدی کربؓ کی تلوار دیکھیں۔ آپؓ نے وہ تلوار ایک درخت پر ماری تو اس سے اس درخت کا بہت تھوڑا حصّہ کٹا۔ آپؓ نے فرمایا عمروؓ! مَیں تو سُنا کرتا تھا کہ تو ایک تلوار مارتا ہے تو اُونٹ کی چاروں ٹانگیں کاٹ دیتا ہے، تو تلوار مارتا ہے تو ایک ہی ضرب میں درخت کاٹ دیتا ہے مگر مَیں نے تلوار ماری ہے تو یہ درخت نہیں کٹا۔ یونہی معمولی نشان پڑا ہے۔ کیا یہی تلوار ہے جس کی سارے عرب میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ عمرو بن معدی کربؓ نے کہا یا امیر المؤمنین! تلوار کا کام اونٹ کی چاروں ٹانگیں نہیں کاٹنا بلکہ وہ ہاتھ کاٹتا ہے جس میں یہ تلوار ہوتی ہے۔

پس زمین اب بھی گورنمنٹ کے پاس ہے۔ یہاں سے سرگودھا تک ربوہ کی زمین سے دس گنا زمین خالی پڑی ہے۔ اس زمین میں چار پانچ بڑے بڑے شہر بن سکتے ہیں۔ ایک جگہ تو قریباً سات ہزار ایکڑ زمین خالی پڑی ہے۔ جہاں سرگودھا کے لوگ اب چاندماری کرتے ہیں۔ جب ہم اس زمین کو دیکھنے گئے تو میرے ساتھیوں نے کہا یہ زمین پسند کر لیں یہ کھلی ہے۔ مَیں نے کہا ہمیں کھلی زمین کون دیتا ہے۔ تنگ زمین ہی لے لو۔ اب ان کو یہ تنگ زمین بھی نہیں پچتی۔

تو بہرحال گورنمنٹ کے پاس ابھی ایسی زمینیں موجود ہیں جس کو اس زمین پر اعتراض ہے وہ اب لے کر دیکھ لے۔ وہ ٹکڑا پسند کرے اور قیمت دے جائے اور شہر بنا لے مگر شرطیں وہی ہوں جو ہمارے ساتھ کی گئی ہیں کہ زمین صدر انجمن احمدیہ لے اور وہ آگے افراد کو دے پھر وہ وعدے کرے کہ اس میں سکول، کالج، ہسپتال اور دوسرے ضروری ادارے بنائے گی۔ پس جس طرح ہم نے گورنمنٹ کو لکھ کر دیا ہے وہ بھی لکھ کر دے دیں اور وہ سب کچھ بنائیں جو ہم بنا رہے ہیں پھر ہم دیکھیں گے کہ وہ شہر کتنی جلدی

آباد ہوتا ہے۔ ہم نے حکومت سے زمین لے کر ربوہ آباد کر دیا ہے لیکن حکومت جوہر آباد اور لیاقت آباد کے شہر آباد نہیں کر سکی۔ کیا مُلک کی ساری طاقت اس کے پیچھے نہیں تھی، کیا مُلک کا سارا روپیہ اس کے پیچھے نہیں تھا، پھر کیا حکومت نے وہ شہر آباد کر لئے ہیں؟ ربوہ روپے سے آباد نہیں ہؤا۔ ربوہ اس وجہ سے آباد نہیں ہؤا کہ حکومت نے ہمیں سستے داموں زمین دے دی تھی۔ ربوہ آباد ہؤا ہے ان گُدڑی پوشوں اور کھدّر پہننے والے لوگوں کے ایمانوں سے۔ یہ ایمان جو اِن پھٹے پُرانے کپڑے پہننے والوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ اگر دُنیا میں کہیں اور جگہ پایا جاتا ہو تو ایک ربوہ کیا ایک کروڑ ربوہ سال میں تیار ہو سکتا ہے لیکن اگر یہ ایمان نہ ہو تو چاہے ہزار سال تک بھی احراری شور مچاتے رہیں وہ ہزار سال کے بعد بھی ربوہ جیسا شہر آباد نہیں کر سکیں گے۔ ان کی مثال وہی ہو گی جیسے کہتے ہیں ہتھ پُرانے کھونسڑے بسنتے ہوری آئے۔

ایک اخبار نویس نے جو ہم سے اچھا تعلق رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے ایک دفعہ کہیں لاہور کی نئی آبادی کی سیر کی۔ حکومت لاہور کے قریب نئی آبادی کر رہی ہے۔ مَیں اُس وقت کوئٹہ میں تھا۔ اس اخبار نویس نے یہ لکھا کہ مَیں نے ربوہ بھی دیکھا ہے۔ وہ بھی کوشش کر رہے ہیں اور ایک نیا شہر بنانا چاہتے ہیں اور مَیں نے لاہور کی آبادی کی نئی سکیمیں بھی دیکھی ہیں۔ لاہور افسر بھی نہایت مستعد معلوم ہوتے ہیں۔ وہ خوب زور سے اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور ربوہ کے لوگوں کے بھی بڑے بڑے ارادے ہیں۔ اب دیکھیں کون پہلے شہر بنالیتا ہے۔ لاہور کی نئی آبادی کی سکیم پہلے مکمل ہوتی ہے یا ربوہ پہلے تیار ہوتا ہے۔ اس سفر میں درد صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ مَیں نے انہیں کہا۔ آپ اس اخبار نویس کو ایک چٹھی لکھیں اور اس پر صرف ربوہ کا لفظ بریکٹ میں ڈال کر بھیج دیں۔ اب دیکھ لو کون سا شہر پہلے آباد ہؤا ہے۔ لاہور کی نئی آبادی کی جو سکیمیں بن رہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں کچھ مکان بن گئے ہیں لیکن وہ بات نہیں جو یہاں ہے۔ ہمیں تو سامان بھی نہیں ملتا تھا۔ ہمیں اینٹیں نہیں ملتی تھیں، لکڑی نہیں ملتی تھی، لوہا نہیں ملتا تھا۔ اینٹیں اب بنی ہیں لیکن وہ اتنی جلدی ختم ہوئی ہیں کہ دو بھٹوں کی اینٹیں

ختم ہو گئی ہیں لیکن باوجود اس کو تاہ دامنی کے خدا تعالیٰ نے ہمیں ایسا سامان دیا کہ سڑک پر سے گزرنے والوں کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک بہت بڑا شہر بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اگلے سال جب آپ جلسہ سالانہ پر آئیں گے تو ہمیں یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ جلسہ گاہ کہاں بنائیں کیونکہ یہ جگہ زنانہ سکول کی ہے۔ لڑکیوں کا سکول یہاں بنے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور اگلے سال یہ سکول بن گیا تو یہاں تقریریں نہیں ہو سکیں گی۔

پس حقیقت یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی برکتوں سے ہی ہوا ہے۔ ہم قادیان سے نکل کر آئے تو یہاں دینیات کالج بھی بن گیا، ہائی سکول بھی بن گیا، زنانہ ہائی سکول بھی بن گیا، زنانہ کالج بھی بن گیا، لڑکوں کا کالج ابھی نہیں بنا۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو وہ بھی بن جائے گا۔ بھلا وہ کون سے مہاجر ہیں جن کے پاس مشرقی پنجاب میں کوئی زنانہ کالج نہیں تھا مگر اُنہوں نے یہاں آکر بنالیا ہو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی برکتیں ہیں۔ پھر یہاں آکر ہسپتال بنالیا۔ پہلے چھپّر بنے ہوئے تھے اور چھت پر بانس ڈالے ہوئے تھے۔ انہی چھپّروں میں ہسپتال بھی تھا اور ڈاکٹر وہیں کام کرتے تھے۔ اُدھر گورنمنٹ اعلان کر رہی تھی کہ تم اتنی اتنی تنخواہیں لے لو لیکن کوئی ڈاکٹر کام کے لئے آگے نہیں آتا تھا۔ اِدھر چھپّروں میں اور معمولی تنخواہوں پر ڈاکٹر کام کر رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے اگر دوسرے لوگوں نے بھی ربوہ جیسے شہر بنانے ہیں تو اس کا ایک ہی رستہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور سجدوں میں گر جائیں۔ اُسی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور کہیں۔ اے اللہ! تُو ہی مدد فرما۔ تو دیکھیں کتنے ربوہ بنانے کی انہیں توفیق ملتی ہے۔

بہر حال یہاں بہت سے مکان بن چکے ہیں اور بہت سے مکانات ابھی بننے والے ہیں۔ کئی دوست تو ایسے ہیں جنہوں نے سُنا کہ وہ زمین جو ہم نے سَو میں خریدی تھی اب دو ہزار روپیہ میں بک رہی ہے تو اُنہوں نے زمین بیچنی شروع کر دی اور کئی لوگ جنہوں نے پہلے زمین نہیں خریدی تھی وہ اب دو دو ہزار میں زمین خرید رہے ہیں۔ ان لوگوں سے تو مَیں کہتا ہوں کہ تم نے ایک سو روپے میں زمین نہیں خریدی تھی اب دو ہزار میں خریدو۔

اللہ تعالیٰ نے تم پر اُنیس سو روپے جرمانہ کیا ہے۔ مگر جو لوگ بیچ رہے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان میں سے بعض معذور ہیں اور معذوری کی وجہ سے وہ زمین بیچ رہے ہیں لیکن کئی لوگ ایسے ہیں جو صرف دو ہزار روپیہ کے لالچ کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں۔

مجھے ایک قصہ یاد آ گیا۔ کوئی ماسٹر تھے وہ کہیں ملازم تھے دس بیس سال تک گھر نہ آئے اُن کی بیوی نے اُنہیں لکھا کہ تم اپنی ان بیٹیوں کا تو خیال کرو۔ میری زندگی تو برباد ہوئی ان کی زندگی تو برباد نہ کرو۔ ان کے دوستوں نے بھی انہیں مشورہ دیا کہ وہ گاؤں ضرور جائیں۔ چنانچہ وہ گاؤں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ دس بیس میل پر ان کا گاؤں تھا۔ انہوں نے رتھ والے کو دس روپے دیئے اور اس میں بیٹھ کر گاؤں روانہ ہوئے۔ جب وہ اپنی منزل پر پہنچے تو وہ رتھ والے سے پوچھنے لگے کہ اب تم خالی جاؤ گے۔ تمہیں بڑا نقصان ہو گا۔ رتھ والے نے کہا مَیں نے آپ سے اسی لئے دس روپے لئے تھے اب مَیں خالی بھی واپس چلا جاؤں تو مجھے کوئی نقصان نہیں۔ ماسٹر صاحب نے کہا اگر واپس جاتے ہوئے کوئی سواری مل جائے تو تم اس سے کیا لو گے۔ رتھ والے نے کہا مَیں نے دونوں طرف کا کرایہ آپ سے وصول کر لیا ہے۔ اب اگر کوئی مجھے ایک روپیہ بھی دے تو مَیں اُسے لے جاؤں گا۔ ماسٹر صاحب نے کہا تب ایک روپیہ مجھ سے لے لو اور مجھے واپس لے جاؤ۔ چنانچہ وہ اسی لالچ کی وجہ سے کہ رتھ والا انہیں اب ایک روپیہ میں واپس لے جا رہا ہے وہیں سے واپس چلے گئے۔

پس مَیں جب اُن لوگوں کو دیکھتا ہوں جو دو ہزار روپے کی لالچ میں زمین بیچ رہے ہیں تو مجھے یہ قصّہ یاد آ جاتا ہے۔ تم نے سو روپے خرچ نہیں کئے تھے بلکہ اس کی زمین خریدی تھی۔ بہر حال یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی علامت ہے۔ اعتراض کرنے والے اعتراض کرتے ہیں۔ پیغامی اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے جماعت پر قبضہ کر لیا ہے۔ احراری بھی سُبْحَانَ اللّٰہِ کیا کیا باتیں بناتے ہیں لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ ان کو یہ موقع نصیب نہیں ہوا کہ وہ ربوہ جیسا شہر آباد کر سکیں۔ گورنمنٹ کے گزٹ میں لکھا ہوا موجود ہے کہ پچھلے ہزار سال سے یہاں کوئی آبادی نہیں تھی بلکہ یہاں تک لکھا ہے

کہ یہ زمین ایری گیشن (IRRIGATION) کے ناقابل ہے اور نان کلٹی ایبل (NON CULTIABLE) ہے یعنی اس زمین کے متعلق ہے کہ یہاں آب پاشی اور زراعت نہیں ہو سکتی۔ یہ زمین دوسری زمین سے 23 فٹ بلند ہے۔ پانی چڑھے کہاں اور پھر پانی نمکین ہے۔ سوائے اس کے کہ جب خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ یہاں میٹھا پانی نکلے گا تو یہاں میٹھا پانی نکلنا شروع ہوا اور وہ بھی ابھی کچھ حصّہ سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ ایسے کوردیہہ میں دوسال کے بعد دو دو ہزار کو زمین بِکنی شروع ہوگئی۔ آخر کسی کی عقل میں یہ بات نہیں آئی کہ اس شخص کے پاس کون سا جادو ہے کہ وہ مٹی کو ہاتھ لگاتا ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس پیرا نامی ایک نوکر تھا جو بالکل جاہل تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ان لوگوں سے بھی بعض دفعہ بے تکلفی کا اظہار کر لیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے پیرے سے کہا۔ کیا تمہیں بھی دین کا کچھ پتہ ہے؟ پیرے نے جواب دیا کہ اَور تو مجھے کچھ پتہ نہیں۔ ہاں مَیں نے ایک دن مولوی محمد حسین سے بحث کی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا اچھا تم نے مولوی محمد حسین سے بحث کی تھی۔ پھر انہوں نے کیا کہا؟ پیرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ملازم تھا۔ آپ اسے بلٹیاں دے دیتے تھے اور وہ اسے بٹالہ سے لانی پڑتی تھیں۔ اس نے کہا کہ مَیں جب بِلٹیاں لینے جایا کرتا تھا تو روزانہ مولوی محمد حسین کو دیکھتا کہ وہ اسٹیشن پر آتے اور اگر کوئی آدمی قادیان آنے والا دیکھتے تو اُسے کہتے مَیں مرزا صاحب کا پُرانا دوست ہوں، میرے ان سے تعلقات ہیں، مَیں جانتا ہوں کہ اُنہوں نے دکان بنائی ہوئی ہے اور کچھ نہیں۔ ان کی ان باتوں سے متاثر ہو کر کوئی تو واپس چلا جاتا اور کوئی ان کی باتوں سے اثر لئے بغیر قادیان آجاتا۔ پیرا کہنے لگا مَیں اسی طرح مولوی محمد حسین کو روزانہ اسٹیشن پر دیکھتا۔ ایک دن اتفاقاً مولوی صاحب کو قادیان جانے والا کوئی شخص نہ ملا۔ وہ میرے پاس آئے اور کہا پیریا تُو نے کیوں اپنا ایمان خراب کر لیا ہے؟ کیا تو نے سوچا بھی ہے آخر مَیں اتنا بڑا عالم ہوں۔ مولوی صاحب کو یہ بڑا شوق تھا کہ لوگوں کو پتہ لگے کہ مَیں بڑا عالم ہوں

اور اہل حدیث کا لیڈر ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا مَیں اتنا بڑا عالم اور اہلِ حدیث کا لیڈر بھلا مرزا صاحب کو میرے مقابلہ میں کیا حیثیت حاصل ہے۔ کیا تو نے کبھی سوچا نہیں کہ اتنے بڑے عالم کو چھوڑ کر تو نے قادیان جاکر اپنا ایمان کیوں خراب کر لیا ہے؟ پیرا جاہلِ مطلق تھا۔ اُسے دین کا کچھ بھی پتہ نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا۔ مولوی صاحب مَیں جاہل ہوں، مجھے دین کا کچھ بھی علم نہیں۔ یہاں تک کہ مجھے نماز بھی نہیں آتی۔ مَیں صرف ایک بات جانتا ہوں۔ علم والی بات تو مجھے نہیں آتی۔ مَیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ مَیں اتنے سالوں سے مرزا صاحب کی بِلٹیاں چھڑانے کے لئے بٹالہ آرہا ہوں اور جب بھی یہاں آتا ہوں آپ کو اسٹیشن کے قریب ٹہلتے دیکھتا ہوں۔ آپ روزانہ ایسے آدمی کی تلاش میں رہتے ہیں جو قادیان جانے کا ارادہ رکھتا ہو تا آپ اسے قادیان جانے سے باز رکھ سکیں۔ خبر نہیں آپ کی یہاں آتے آتے کتنی جوتیاں گھِس گئی ہیں۔ اُدھر مَیں دیکھتا ہوں کہ مرزا صاحب کوٹھری میں گھُسے ہوئے ہیں۔ چھ چھ گھنٹے لوگ دروازے کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں کہ مرزا صاحب نکلیں تو وہ آپؑ کی زیارت کریں۔ لوگ یہاں سے یکّوں میں جاتے ہیں، پیدل جاتے ہیں، راستہ میں دھکّے کھاتے ہیں اور پھر وہاں گھنٹوں دروازہ کے آگے بیٹھے رہتے ہیں۔ تب کہیں مرزا صاحب کوٹھری سے باہر نکلتے ہیں اور وہ لوگ آپؑ کی زیارت کرتے ہیں اور خوش خوش وہاں سے واپس آتے ہیں لیکن مَیں کئی سال سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی کئی جوتیاں بھی گھِس گئی ہوں گی لیکن آپ لوگوں کو قادیان جانے سے باز نہیں رکھ سکے۔ آخر کچھ تو ہے جس کی وجہ سے آپ کی کوشش بار آور نہیں ہوتی۔ آخر ان علماء کہلانے والوں کو کیا اتنی بھی سمجھ نہیں کہ ایک شخص گاؤں کا رہنے والا ہے اس نے نہ کوئی دینی تعلیم حاصل کی ہے اور نہ دنیوی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس کی صحت خراب ہے۔ وہ کمزور ہے۔ جب وہ خلیفہ ہؤا تو جماعت کے امیر اور بڑے بڑے لوگ اس سے بگڑ گئے اور لاہور جاکر اُنہوں نے ایک علیحدہ انجمن بنالی اور پھر بھی خدا تعالیٰ اُسے نہ صرف پاکستان میں کامیاب کرتا جارہا ہے بلکہ ساری دُنیا میں اُسے کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔ اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے جھنڈے ساری دُنیا میں

گاڑ دیئے ہیں۔ اس کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت قائم ہو رہی ہے۔ مگر پھر وہی زندیق اور کافر ہے۔ اگر زندیق اور کافر اسی کا نام ہے تو خدا تعالیٰ اس قسم کے زندیق اور کافر اسلام میں آئندہ بھی جاری رکھے تو اس میں اُمّت کا کتنا بچاؤ ہے۔

یہ یاد رکھو کہ یہاں جو مکان تم بناؤ گے اور جتنی جلدی تم بناؤ گے تو تمہیں اور کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو لیکن اگر تم یہاں اپنے بیوی بچوں کو رکھو گے تو وہ تعلیم حاصل کریں گے اور اگر تم خود نہیں آؤ گے اور بیوی بچوں کو یہاں نہیں رکھ سکو گے تو مکان کا کرایہ ہی تمہیں ملے گا اور اس طرح روپیہ محفوظ رہے گا۔ بہر حال مکان ایک ایسی چیز ہے جس کی قیمت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ اگر کوئی آباد قصبہ ہو تو آج اگر دو ہزار روپیہ کا مکان ہے تو کل وہ دس ہزار روپیہ کا ہو گا لیکن جو لوگ یہاں مکان نہیں بنا سکے اور اُنہوں نے یہاں زمین نہیں خریدی اور وہ اب یہاں خریدنے کے خواہش مند ہیں اُنہیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اپنے نام دفتر آبادی ربوہ میں نوٹ کرا دیں۔ ہمیں قوی اُمید ہے کہ پانچ چھ سو مکانات کی جگہ مل جائے گی۔ تین سو کے قریب دوستوں نے اپنے نام لکھوا دیئے ہیں۔ جنہوں نے ابھی تک اپنے نام نہیں لکھوائے وہ اب لکھوا دیں۔ انہیں پانچ چھ ماہ کے بعد زمین مل سکے گی۔ اس کے بعد انہیں ربوہ کی حدود میں زمین نہیں مل سکے گی۔ سوائے اس کے کہ وہ ان لوگوں سے جنہوں نے پہلے زمین خرید کر لی تھی پانچ پانچ سات سات ہزار روپیہ پر زمین خرید لیں مگر جو لوگ مکان نہیں بنا سکتے انہیں مَیں تحریک کرتا ہوں کہ قومی کاموں میں زندگی کے آثار ہونے چاہئیں۔ جب تم اور جگہوں پر جاتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ تم یہاں نہیں آتے۔ یورپ میں ایک مزدور کو بھی سال میں چودہ دن کی چھٹیاں ہوتی ہیں جن میں وہ دوسری جگہوں پر جاتے ہیں۔ تم بھی چودہ چودہ پندرہ پندرہ دن کے لئے یہاں آؤ اور اپنی خدمات سلسلہ کو پیش کرو۔ اگر اس طرح دس دس آدمی پندرہ پندرہ دن کے لئے سال بھر آتے رہیں تو سلسلہ دس آدمیوں کے خرچ سے آزاد ہو جائے گا۔ اگر 24 آدمی آتے ہیں تو سلسلہ 24 آدمیوں کے خرچ سے آزاد ہو جائے گا۔ 24 آدمی ایک افسر کا قائمقام ہو جاتے ہیں اور اگر 240 آدمی

آجائیں تو وہ دس افسروں کے قائمقام ہو جاتے ہیں۔ دوسرے نئے آدمیوں کے آنے سے نئے ارادے اور نئے خیالات آتے رہتے ہیں۔

پھر ربوہ کی آبادی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پنشنر دوست یہاں آئیں۔ مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے پنشنر دوست پنشن لینے کے بعد بھی نوکری کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور کام کرتے چلے جاتے ہیں حالانکہ جب کسی کی اولاد جوان ہو گئی ہے اور کام کے قابل ہو گئی ہے تو اب انہیں آرام کرنا چاہئے اور جو دو چار سال زندگی کے باقی ہیں وہ خدا تعالیٰ کے ذکر اور اس کے کام میں لگانے چاہئیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ پنشن لینے کے بعد بھی نوکری کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور دو سو، چار سو روپیہ ماہوار حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں چلو نوکری تو ملتی ہے کر لو۔ مَیں پھر ایسے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ یہ تو اپنی زندگی کو ضائع کرنے والی بات ہے۔ آخر تم خدا تعالیٰ کو کیا جواب دوگے؟ اللہ تعالیٰ کہے گا تم نے 55 سال نوکری کی اور جو زندگی کے دو چار سال باقی تھے وہ بھی تم نے دنیوی لالچ کے لئے خرچ کر دیئے۔ اگر تم نے مجھے پس خوردہ کھانا بھی نہیں دیا تو مَیں کیا سمجھوں کہ تمہارا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔ یہ تو وہی بات ہو گی کہ کہتے ہیں کسی شخص کے دوست کی کُتیا نے بچے دیئے اُس نے اس سے کہا۔ مجھے کُتیا کا ایک بچہ دینا۔ اس نے کہا چھ بچے تھے وہ سارے مر گئے لیکن اگر وہ زندہ بھی ہوتے تو تمہیں کوئی بچہ نہ دیتا۔ یہ بھی وہی بات ہے کہ ساری زندگی تو مَیں نے دی نہیں۔ نوکری میں 55 سال خرچ کر دیئے ہیں لیکن اب جو دو چار سال زندگی کے پنشن لینے کے بعد باقی ہیں وہ بھی تمہیں نہیں دینے۔ تمہیں پنشن مل گئی ہے اولاد تمہاری جوان ہو گئی ہے وہ ملازم ہو گئی ہے اور انہیں تنخواہ ملنے لگ گئی ہے یا وہ اپنے کاموں میں لگ گئی ہے۔ اگر چار پانچ سَو تمہاری تنخواہ تھی اور اب تمہارے پاس ایک دو بچے رہ گئے ہیں تو دو اڑھائی سو روپیہ پنشن میں گزارہ ہو سکتا ہے۔ اگر پنشن میں گزارہ نہیں ہو سکتا تو پچاس روپے اور لے لو۔ تمہیں بھی فائدہ ہو گا اور دین کو بھی مدد ملے گی۔

پس مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ پنشنر دوست یہاں آئیں اور اپنی خدمات سلسلہ کو

پیش کر دیں۔ پنشنر کو تو دوبارہ ملازمت کرنا گناہ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ وہ اب اس قابل ہو چُکا ہے کہ دین کی خدمت میں لگا رہے۔ جن کو اس سے زیادہ توفیق ملتی ہے وہ اپنی زندگیاں سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کریں۔ پہلے یہ سلسلہ شروع ہؤا تھا لیکن درمیان میں رُک گیا۔ اب پھر دیکھتا ہوں کہ کچھ دنوں سے ایک رَو چلی ہے بعض خطوط آئے ہیں جن میں بعض لوگوں کی طرف سے لکھا گیا ہے کہ ہم اپنی زندگی دین کی خدمت کے لئے پیش کرتے ہیں۔ درمیان میں بھاگنے کی رَو زیادہ تھی اور مَیں نے بھی ڈھیل دے دی تھی کہ اچھا بھاگنا ہے تو بھاگ جاؤ۔ حالانکہ دین کے لئے زندگی پیش کرنے کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی ساری زندگی دین کو دے دیتا ہے اور اسے اس پر اختیار نہیں رہتا۔ تم یہی کہو گے کہ اس نے زندگی تباہ کر دی لیکن کیا دوسری قوموں نے مُلک کی خاطر اور قوم کی خاطر اپنی زندگیاں پیش نہیں کیں۔ کیا پچھلی جنگ کے موقع پر لاکھوں جرمنوں، انگریزوں، امریکیوں اور فرانسیسیوں نے اپنی جانیں پیش نہیں کی تھیں۔ تم میں سے دس بیس نے اگر دین کی خاطر اپنی زندگیاں پیش کر دیں تو تمہیں ان پر کوئی زائد فضیلت حاصل نہیں ہو گی۔ یہی چیز ان میں بھی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے بھی اپنی زندگیاں قوم اور مُلک کو دیں اور تم نے بھی اپنی زندگیاں دین کی خاطر دیں۔ پس نوجوانوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی زندگیاں وقف کریں تا کہ ان کی خدمات دین کے لئے مفید ہوں"۔ 　 (غیر مطبوعہ مواد از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

احرار کا فتنہ

"اس سال احراریوں نے جماعت احمدیہ کے خلاف جو فتنہ برپا کیا حضور نے اس کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یہ فتنہ گزشتہ دو سال سے جاری تھا مگر اس سال اس نے خاص شدت اختیار کر لی تھی کیونکہ مُلک کے بعض عناصر نے اپنی اپنی سیاسی اور ذاتی اغراض کے ماتحت احراریوں سے جوڑ توڑ کرنے اور انہیں مُلک میں نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ احمدیت کی مخالفت اور اسی طرح چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی مخالفت تو محض ایک آڑ تھی ورنہ اصل مقصد در پردہ اپنی سیاسی اغراض حاصل کرنا تھا۔ اس ایجی ٹیشن کی ابتدا تو انہی عناصر نے کی جو ہمیشہ پاکستان کے اور

مسلم لیگ کے مخالف رہے ہیں، مگر جب انہوں نے دیکھا کہ اس طرح کام نہیں بنتا تو آہستہ آہستہ ایسے مولویوں کو بھی اپنے ساتھ ملانا شروع کیا جو بظاہر مسلم لیگ کے مخالف نہ تھے اور غیر جانبدار سمجھے جاتے تھے مگر اپنی اغراض کے ماتحت آگے آنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مختلف گروہوں میں سے ایسے ہی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر اس کا نام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ رکھ دیا گیا اور تحفظِ ختم نبوّت کے نام سے ایجی ٹیشن شروع کر دی گئی۔ حالانکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ بھلا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ختم نبوّت کی حفاظت کے لئے ان لوگوں کی مدد کی کیا ضرورت ہے۔ ان کی ختم نبوّت کا محافظ تو خود اللہ تعالیٰ ہے اور ختم نبوت کا جو مفہوم جماعت احمدیہ بیان کرتی ہے وہی مفہوم صحابہ کرام اور اُمت کے بہت سے بزرگوں نے بیان کیا۔ پھر یہ مفہوم جماعت احمدیہ نے آج پیش نہیں کیا بلکہ ساٹھ سال سے پیش کر رہی ہے۔ پس آج کوئی بھی ایسی نئی بات اس مسئلہ کے متعلق پیدا نہ ہوئی تھی جسے اس ہنگامہ اور ایجی ٹیشن کی وجہ قرار دیا جاسکے۔ بہر حال یہ ایجی ٹیشن اشتعال انگیزی اور جھوٹے پروپیگنڈا کے ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ حتّٰی کہ حکومت کے بعض ذمّہ دار افراد بھی ایک حد تک اس سے متاثر ہو گئے کیونکہ وہ اصل حالات سے ناواقف تھے۔

ذمّہ دار افراد پر اظہار حقیقت

جہاں اس فتنے نے ہماری جماعت کے لئے نئی نئی مُشکلات پیدا کیں اور انفرادی طور پر بعض احمدیوں کو نقصان بھی اُٹھانا پڑا وہاں اس کے بعض فوائد بھی ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوئے۔ چنانچہ ایک فائدہ تو یہ ہؤا کہ مُلک کے جن ذمّہ دار افراد کو جھوٹے الزامات کے ذریعے جماعت احمدیہ سے بدظن کیا جارہا تھا ہمیں بھی انہیں سمجھانے کا اور اصل حقیقت واضح کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے بعد میں برملا کہا کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے احمدی اسلام کا اور قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں لیکن اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ غلط ہے۔ احمدی بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا دیگر مسلمانوں کے ساتھ جو اعتقادی اختلاف ہے

اسے صرف تفسیر اور تاویل کا اختلاف کہا جاسکتا ہے۔

بیرونی ممالک کے نمائندوں پر اس کا اثر

دوسرا اثر اس فتنے کا یہ ہؤا کہ کراچی میں جماعت احمدیہ کے جلسہ میں چودھری ظفراللہ خاں صاحب نے "اسلام زندہ مذہب ہے" پر تقریر کی۔ یہ مولوی بھلا یہ کب برداشت کرسکتے تھے کہ اسلام کو زندہ مذہب ثابت کیا جائے۔ انہوں نے اسلام کو زندہ مذہب ثابت کرنے کو اپنے لئے ایک بہت بڑی اشتعال انگیزی قرار دیا اور ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی۔ کراچی میں چونکہ بیرونی ممالک کے سفیر بھی موجود ہوتے ہیں اس لئے جب انہوں نے یہ حالات دیکھے تو ان پر یہ اثر ہؤا اور اسی اثر کے ماتحت انہوں نے اپنے اپنے مُلک میں رپورٹیں بھیجیں کہ احمدی جماعت ایک فعال جماعت ہے اور مولویوں کا طبقہ محض اعتقادی اختلاف پر عوام کو مشتعل کر رہا ہے۔ وہ پاکستان کی ترقی کی راہ میں حائل ہو رہا ہے اور مذہبی تعصّب کو ہوا دے کر اسے ایک تنگ نظر مُلک بنانا چاہتا ہے۔ ان میں سے بعض نے اس رائے کا اظہار کیا کہ پہلے ہم سمجھتے تھے کہ پاکستان ایک ترقی کرنے والا مُلک ہے مگر اس ہنگامے کو دیکھ کر پاکستان کی ترقی کے متعلق ہمارے دل میں شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ گویا انہوں نے سمجھا کہ شاید یہی مولوی مُلک کی آواز ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ یہ لوگ پاکستان کا ایک چھوٹا سا جزو تو سمجھے جاسکتے ہیں مگر انہیں پاکستان کا دل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پاکستان کا دل اور ہے۔ بے شک لوگ وقتی اشتعال کے ماتحت ان کے جھانسے میں آجاتے ہیں مگر مُلک کی حقیقی آواز ہرگز وہ نہیں ہے جو یہ لوگ بُلند کرتے ہیں۔ پس اس فتنے کا ایک فائدہ یہ ہؤا کہ غیر ممالک میں ہمیں متعارف ہونے اور انہیں اسلام کی تبلیغ کرنے کا موقع مل گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

بنگالی نمائندوں کی رائے

ایک اثر اس فتنے کا یہ ہؤا کہ بنگالی نمائندوں نے اصل حقیقت کو بھانپ لیا اور انہیں علم ہو گیا کہ اہل غرض افراد مذہب کی آڑ میں سیاسی چالیں چل رہے ہیں۔ چنانچہ بنگال کے اخبارات میں سے سوائے ایک دو کے باقی سب نے یہی لکھا کہ ہم اس گند کو جو مغربی پاکستان میں

پھیلایا جارہا ہے ہرگز بنگال میں نہیں آنے دیں گے۔

حکومت کی دھمکیاں

کراچی کے فساد کا ایک اور اثر یہ ہوًا کہ مُلک کے شریف اور سنجیدہ لیڈروں نے ان لوگوں کو سمجھانا شروع کیا جو کسی نہ کسی رنگ میں اس فتنہ سے متأثر ہو رہے تھے اور انہیں اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ پھر جب جماعت اسلامی نے جو حکومت کی کھلی مخالف ہے ہماری مخالفت میں آگے آنا شروع کیا تو سیاسی لیڈروں کی بھی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے محسوس کیا جماعت احمدیہ کے مخالف دراصل اس آڑ میں حکومت کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ جلد ہی اس کا ثبوت بھی مل گیا اور وہی لوگ جو شروع میں ہماری مخالفت کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ہمیں سیاست سے یا حکومت کی مخالفت سے کوئی واسطہ ہی نہیں انہوں نے برملا حکومت کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں"۔

اس موقع پر حضور نے اخبار آزاد اور زمیندار میں سے متعدد ایسے حوالے پڑھ کر سنائے جن میں حکومت کے ذمّہ دار راہنماؤں کے نام لے لے کر کھلے طور پر یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر حکومت نے ہمارے مطالبے نہ مانے تو ہم حکومت سے ٹکرائیں گے، بدامنی پیدا کریں گے اور جنرل نجیب کی طرح حکومت کا تختہ اُلٹا دیں گے۔ اس طرح ان حوالوں میں عوام کو تلقین کی گئی تھی کہ وہ کسی لیڈر کا انتظار نہ کریں بلکہ خود آگے آکر مُلک میں بدامنی پیدا کریں۔ فرمایا:-

"ہمارے خلاف اِن فسادات کے ایّام میں حکومت نے اکثر مقامات پر دیانتداری سے کام کرنے اور حالات کو سدھارنے کی کوشش کی۔ اس نے جو اعلانات کئے وہ بھی درست تھے۔ گو عملاً بعض مقامات پر حکومت حالات پر قابو رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی"۔

صوبائی مسلم لیگ کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

مجھے خوشی ہے کہ مسلم لیگ کا رویہ بہت اچھا رہا اس نے اپنے ہر اجلاس میں

دلیری سے اصل حالات کا جائزہ لیا۔ پاکستان کے دوسرے صوبوں نے تو پنجاب سے بھی بہتر نمونہ دکھایا بالخصوص سرحد کے وزیر اعظم نے تو بڑی دلیری سے اس فتنے کو بڑھنے سے روکا اور اسے دبایا۔ اسی طرح سندھ میں بھی شرارتیں محدود رہی ہیں اور اب تو پنجاب میں بھی حالات بہتر ہو رہے ہیں گو پوری طرح فتنہ دبا نہیں ہے۔

بعض صریحاً غلط الزامات

جہاں مجھے خوشی ہے کہ اکثر مقامات پر حکومت نے دیانتداری سے کام کرنے کی کوشش کی ہے وہاں مجھے افسوس ہے کہ حکومت کے بعض افسروں نے ہمارے متعلق غلطیاں بھی کی ہیں مثلاً حکومت نے ایک اعلان میں یہ الزام لگایا ہے (گو نام نہیں لیا مگر اشارہ ہماری ہی طرف تھا) کہ احمدی افسر اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر احمدیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور اپنے ہم مذہبوں کو ملازمت میں بھرتی کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک ذمّہ دار افسر نے کہا کہ احمدی افسر اپنے عہدے سے فائدہ اُٹھا کر احمدیوں کو ناجائز الاٹمنٹ کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے عہدے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ناجائز طور پر ایسے کام کرتا ہے اور اس طرح حق داروں کی حق تلفی کرتا ہے میرے نزدیک وہ نہ صرف حکومت کا مجرم ہے بلکہ قرآن کا بھی مجرم ہے کیونکہ وہ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایک فعل کا جرم ہونا کسی کو یہ حق دے دیتا ہے کہ وہ بغیر تحقیقات کے کسی پر اس جرم کے ارتکاب کا الزام لگا دے۔ کیا حکومت کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ یہ الزام لگانے سے پیشتر اس شکایت کی تحقیقات کرتی اور یوں بغیر تحقیقات کے ایک قوم پر الزام لگا کر اس کی ہتک کا مرتکب نہ ہوتی۔ کیا حکومت کے لئے یہ کوئی مُشکل امر تھا کہ وہ ان الزامات کی باقاعدہ تحقیقات کراتی اور ان کے ثبوت بہم پہنچاتی؟ پھر اگر یہ الزام کسی احمدی افسر کے متعلق درست ثابت ہوتا تو بے شک اسے سزا دیتی کیونکہ وہ واقعی مجرم ہے نہ صرف حکومت کا بلکہ اسلام کا بھی لیکن اگر یہ الزام درست ثابت نہ ہو تو یقیناً یہ صریح بے انصافی ہے کہ ہم پر بغیر تحقیقات کے صرف اس لئے الزام لگا دیا جائے کہ ہم غریب ہیں اور کمزور ہیں۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ مُلک کے ہر فرد کی عزت کی حفاظت کرے

اسلامی حکومت کا تو یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مُلک کے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کی عزت کی بھی حفاظت کرے اور اس پر کوئی جھوٹا الزام نہ آنے دے۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ گزشتہ پانچ سال کے عرصہ میں ظفراللہ خاں کے دفتر میں کسی چوہڑے نے بھی بیعت کی ہے اور احمدیت قبول کی ہے اگر یہ نہیں ثابت کیا جاسکتا تو یقیناً ایسا الزام لگانا ظفراللہ خاں پر ظلم نہیں ہے بلکہ اس قوم پر ظلم ہے جس کے وہ ایک فرد ہیں۔

اس کے بالمقابل مودودی جماعت کے کئی آدمی اس جُرم میں پکڑے بھی گئے مگر اس پر کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ پھر الزام لگانے سے پہلے یہ بھی تو دیکھ لیا جاتا کہ کون کون سے احمدی افسر ایسے ہیں جو بھرتی کرنے کے قابل ہیں۔ کوئی فائننشل کمشنر احمدی نہیں ہے، کوئی ڈپٹی کمشنر احمدی نہیں ہے۔ مہاجرین کو زمین تقسیم کرنے والا کوئی اعلیٰ افسر احمدی نہیں ہے۔ پھر یہ ناجائز الاٹمنٹ کرنے والا اور احمدیوں کو بھرتی کرنے والا ایسا احمدی افسر کون ہے؟

پھر یہ بھی تو سوچنے والی بات ہے کہ اگر احمدی افسر ناجائز الاٹمنٹیں کرتے تو سب سے پہلے وہ مجھے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے لیکن مجھے تو انہوں نے کچھ نہ لے کر دیا بلکہ میری جو زمین قادیان میں تھی اس کے کاغذات ابھی ادھر اُدھر ہی پھر رہے ہیں گو احراری تو کہہ رہے ہیں کہ مجھے دس ہزار مربعے ملے ہیں مگر مجھے دس ہزار مربعے چھوڑ دس مرتبان بھی نہیں ملے۔

انصاف کا طریق

یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ حکومت نے بغیر تحقیقات کے یہ الزام ہماری جماعت پر لگا دیا ہے اور انصاف کا طریق یہی ہے کہ حکومت اس کی پوری پوری تحقیقات کرے۔ اگر کسی احمدی افسر کے متعلق یہ الزام درست ثابت ہو تو بے شک اسے سخت سے سخت سزا دے لیکن اگر یہ غلط ثابت ہو تو پھر اس کی تردید کرے اور اعلان کرے کہ یہ الزام غلط ہے۔

گو الزام تو ہم پر لگایا جاتا ہے کہ احمدی افسر اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے احمدیوں کی مدد کرتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں احمدیوں سے تعصّب برتا جاتا ہے اور ان کو ان کے جائز حقوق سے محروم کیا جارہا ہے اور اس طرح ان کی حق تلفی کی جاتی ہے اور اس حق تلفی پر پردہ ڈالنے کے لئے اُلٹا احمدیوں پر الزام لگایا جارہا ہے۔ ہم حکومت کے سامنے کئی ایک ایسی مثالیں پیش کرسکتے ہیں جب کہ مختلف محکموں میں احمدیوں کو ملازمت یا ترقی سے صرف اس لئے محروم کیا گیا کہ وہ احمدی ہیں حالانکہ ان کی تعلیم، تجربہ، قابلیت اور گزشتہ ریکارڈ اُن کے حق میں تھے لیکن ہم نے ان حق تلفیوں پر کبھی شور نہیں مچایا کیونکہ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس قسم کی حق تلفی اور تعصب کا بہترین علاج یہ ہے کہ ہم اپنی تعلیم، قابلیت، محنت، دیانتداری اور اچھے اخلاق کے معیار کو اور بلند کر کے ان کا مقابلہ کریں نہ کہ شور مچائیں۔ اگر ہمارے نوجوان ہماری تعلیم پر عمل کریں گے تو اس قسم کی حق تلفی زیادہ عرصہ نہیں ہو سکتی اور نوکریاں اور ملازمتیں آپ ان کے پاس آئیں گی۔

ذمّہ دار پریس نے اپنے فرض کو ادا کیا

مجھے بڑی خوشی ہے کہ اس فتنے کے دوران میں ہمارے مُلک کے ذمّہ دار پریس نے جو مُلک کی رائے عامہ کی جان ہوتا ہے بڑی دلیری سے اپنے فرض کو ادا کیا ہے۔ سب سے پہلے "ڈان" نے بڑی جرأت سے اس فتنہ کے خلاف آواز بلند کی۔ پھر بنگال کے پریس نے اس کی تائید کی۔ پنجاب میں سِول اور بعض دیگر اخبارات نے بھی اپنا فرض ادا کیا۔ اُردو کے پریس کے ایک حصّہ کا رویّہ شروع میں ڈانواں ڈول تھا مگر بعد میں اس نے بھی دیانتداری کا ثبوت دیا۔ گو افسوس ہے کہ مسلم لیگی پریس کے ایک حصّہ نے اس موقع پر بہت بُرا نمونہ دکھایا۔ بہرحال جس قوم کے متعلق یہ مشہور ہو کہ وہ بہت جلد پروپیگنڈا سے متاثر ہو جاتی ہے اس قوم کے پریس کا پروپیگنڈا کے مواد کو چھوڑ دینا ایک بہت اُمید افزا بات ہے۔

ہندوستان کے مُسلم پریس کا احتجاج

دوسری خوشی مجھے یہ ہوئی کہ اس موقع پر ہندوستان کے مسلم پریس نے بھی اس فتنہ کے خلاف آواز بلند کی۔ حتّٰی کہ وہ اخبارات جو پہلے ہمارے دُشمن تھے اُنہوں نے بھی بڑے زور سے ہماری تائید کی۔ ان میں سے ایک نے تو لکھا کہ اس فتنہ کو دیکھ کر ہمارے سر ندامت سے جھک جاتے ہیں اور ہم ہندوستان کے غیر مسلموں کے سامنے آنکھ اُٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ یہ ایک بہت نیک تبدیلی ہے۔ ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے پھر ترقی کے مواقع پیدا کرے۔ انہیں ہر قسم کے ظلم سے بچائے۔ ان کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا سامان پیدا کرے اور ہندوستان میں اسلام کو پھر وہی بلکہ اس سے بھی زیادہ عزت حاصل ہو جو اسے پہلے وہاں حاصل تھی۔

اب اس فتنے نے ایک اور پلٹا کھایا ہے اور وہ یہ کہ ہمارے خلاف منظم بائیکاٹ کی تحریک شروع کی گئی ہے لیکن اس قسم کی چیزیں عارضی ہوتی ہیں جو اِنْشَاءَ اللہ بہت جلد خود ہی ختم ہو جائیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ کام کا ارادہ کرنا اور چیز ہوتی ہے اَور کام کر لینا اور چیز ہوتی ہے۔

سراسر جھوٹے الزامات

اب آخری تدبیر کے طور پر ہمارے مخالفین نے سراسر جھوٹے اور بے بنیاد الزامات لگانے کی مہم شروع کی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے جھوٹ بولنے میں جتنا کمال حاصل کر لیا ہے ہماری جماعت نے ابھی سچ بولنے میں اتنا کمال حاصل نہیں کیا۔ اگر سچ بولنے میں ہماری جماعت کمال حاصل کر لے تو یہ جھوٹا پروپیگنڈا ہمارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔ مثلاً

(1) **پہلا الزام** یہ لگایا گیا ہے کہ ہم نے فرقان فورس کے ذریعے پاکستان کو سخت نقصان پہنچایا۔ مکمل فوجی وردیاں اور بہت سے ہتھیار اور گولہ بارود وغیرہ حاصل کر کے ربوہ میں لے آئے۔ یہ الزام لگاتے ہوئے فوجی وردیوں اور گولہ بارود کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے۔ اوّل تو وہی اس الزام کی تردید کے لئے کافی ہے کیونکہ بیان کردہ مقدار کبھی ایک بٹالین کو مل ہی نہیں سکتی۔ دوسرے ہمارے پاس فوجی حُکام کی باقاعدہ

رسید موجود ہے کہ فرقان فورس نے جو ہتھیار اور وردیاں وغیرہ حاصل کیں وہ سب کی سب واپس دے دی گئیں اور کوئی چیز بھی ان کے پاس باقی نہیں رہی۔ ایسے الزام لگانے والوں کو علم ہی نہیں کہ فوج کا ایک خاص نظام ہوتا ہے۔ اس میں ہر چیز کا ریکارڈ اور حساب ہوتا ہے وہ کوئی احراریوں کا لیا ہؤا چندہ نہیں ہوتا کہ جس کے پاس آیا اس کی جیب میں چلا گیا۔

(2) حکومت کا جو ملازم کسی الزام میں ملوث ہو اسے احمدی مشہور کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کا احمدیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(3) کہا جاتا ہے کہ احمدی غیر احمدی لڑکوں کو بھگا کر ربوہ لے آتے ہیں۔ یہ الزام بھی صریحاً جھوٹ ہے۔ چنانچہ حال ہی میں جب ایک اسی قسم کا الزام لگایا گیا تو پولیس نے اس کی تحقیقات کی اور اس نے اسے بالکل بے بنیاد پایا۔

(4) احمدیت سے برگشتہ ہونے کی خبریں مشہور کر دی جاتی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر غلط ہوتی ہیں چنانچہ جن لوگوں کے متعلق ایسی خبریں شائع کی گئیں ان میں سے اکثر کو تو مَیں اس وقت بھی اپنے سامنے بیٹھا ہؤا دیکھ رہا ہوں۔ بھلا ظلم و تشدد اور جبر کے ساتھ بھی سچائی کسی کے دل سے نکلا کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فتنے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت ثابت قدم رہی ہے۔ چند ایک کمزور لوگوں نے اگر تشدد اور ظلم سے ڈر کر کمزوری دکھائی بھی تو بہت جلد اپنی حرکت پر وہ نادم ہوئے اور واپس آ گئے اور اس قسم کے کمزور لوگ تو ہر جماعت میں ہوتے ہی ہیں۔

(5) کہا جاتا ہے کہ ہم نے چونکہ پرانی کتابوں میں سے ایسے حوالوں کی طرف مسلمانوں کو توجّہ دلائی ہے جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کی ہتک کی گئی ہے۔ لہٰذا ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی۔ حالانکہ اگر ہم نے صرف ان حوالوں کا ذکر کیا اور وہ قابل ضبط ہے تو وہ کتابیں کیوں نہیں قابلِ ضبط سمجھی جاتیں جن میں یہ ہتک کی گئی ہے۔ کیا صرف اس لئے کہ وہ باتیں لکھنے والے وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں چوٹی کے عالم اور بزرگ سمجھے جاتے ہیں۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج بھی یہ کتابیں مسلمانوں کے دینی مدارس اور خود پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہیں مگر کوئی انہیں ضبط کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ بے شک الفضل کا وہ پرچہ ضبط کر لو جن میں ان کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے بشرطیکہ ان کتابوں کو بھی ضبط کرو تا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت قائم ہو۔

سات روزے رکھنے کی تحریک

احباب 1953ء کے شروع میں سات روزے رکھیں اور خاص طور پر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ مُلک میں فتنہ پھیلانے والوں اور ہم پر ظلم کرنے والوں کو سمجھ دے۔ یا سزا دے اور ہمیں ان کے مظالم پر صبر کرنے کی توفیق دے اور اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔ یہ سات روزے جنوری سے شروع کئے جائیں اور ہر سوموار کو رکھے جائیں۔ جنوری میں یہ روزے 5، 12، 19 اور 26 تاریخ کو آئیں گے اور فروری میں 2، 9 اور 16 تاریخ کو۔

اسلامی مُمالک کو فلسطین کے متعلق کوئی عملی قدم اُٹھانا چاہئے

"مختلف ممالک میں مسلمانوں کے لئے بہت سی مُشکلات پیدا ہو رہی ہیں مثلاً ایران، مصر، انڈونیشیا، عراق اور اُردن کے سیاسی حالات میں نئی نئی تبدیلیاں اور اُلجھنیں پیدا ہو رہی ہیں۔ تیونس اور مراکو کے مسلمان آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اسلامی مُمالک کے مسلمانوں کی مدد ہم دُعا اور احتجاج سے تو کرتے ہی رہتے ہیں مگر ایک مسئلہ ایسا ہے جس کے متعلق ہماری حکومت کو بھی ضرور کوئی عملی کارروائی کرنی چاہئے اور وہ ہے فلسطین میں یہودیوں کے اقتدار کا مسئلہ۔ یہود مسلمانوں کے شدید دُشمن ہیں اور اُنہوں نے ایک ایسے مُلک میں اپنی حکومت قائم کر لی ہے جو ہمارے مقدس ترین مقامات یعنی مکّہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے بہت قریب ہے۔ ان کے ارادے یقیناً بہت خطرناک ہیں اس لئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو ضرور مجموعی طور پر کوئی عملی قدم اُٹھانا چاہئے۔

مَیں سمجھتا ہوں اگر تمام اسلامی مُلک اس خطرے کے ازالہ کے لئے اپنے اپنے بجٹ کا پانچ فیصدی بھی مخصوص کر دیں تو ایک اتنی بڑی رقم جمع ہو سکتی ہے جس سے ہم یہودیوں کی بڑھتی ہوئی شرارتوں کا عملاً سدِّباب کر سکتے ہیں۔ اس مسئلہ کی اہمیت کے متعلق مَیں نے پہلے بھی توجّہ دلائی تھی اور اب پھر دلاتا ہوں۔ مگر افسوس کہ اب تک مسلمانوں نے اس خطرے کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا۔ اسی طرح کشمیر کے علاقہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ موجودہ طریق سے یہ مسئلہ کس طرح حل ہو گا؟ کشمیر کے متعلق پاکستان اور ہندوستان کی پوزیشن بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص کا روپیہ گر جائے اور دوسرا اُسے اُٹھا کر اپنے قبضہ میں کر لے۔ جس کا روپیہ گرا ہے اگر وہ محض صبر سے کام لیتا چلا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے کبھی بھی روپیہ ملنے کی اُمید نہ کرنی چاہئے۔ بہرحال دُعا کرو کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کا بھی کوئی صحیح راستہ حکومت کو نظر آئے اور پھر اس راستے پر اسے عمل کرنے کی بھی توفیق ملے۔ کیونکہ کشمیر کے بغیر پاکستان ہرگز محفوظ نہیں ہے۔ یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ کوئی صحیح طریق اختیار کرے مگر وہ جو بھی راستہ تجویز کرے تمہیں اس پر عمل کرنے کے لئے ابھی سے تیار رہنا چاہئے۔

بیرونی ممالک میں تعمیر مساجد کی اہمیت

مَیں نے اس سال شوریٰ کے موقع پر بیرونی ممالک میں مساجد کی تعمیر کے لئے چندہ کی تحریک کی تھی اور اس کے لئے ایسے طریق تجویز کئے تھے جن پر عمل کر کے ہر شخص بغیر کسی خاص بوجھ کے بڑی آسانی سے اس میں حصّہ لے سکتا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر اس تحریک پر پوری طرح عمل کیا جائے تو دو لاکھ روپیہ سالانہ بڑی آسانی سے ہم جمع کر سکتے ہیں۔ یاد رکھو کہ بیرونی ممالک میں جب تک ہم مساجد تعمیر نہ کریں گے وہاں پر تبلیغ اسلام کرنے میں ہمیں کامیابی نہیں ہو گی کیونکہ مسجد ایک بہترین مبلغ کا کام دیتی ہے۔ لوگوں کے قلعے توپوں اور بندوقوں سے آراستہ ہوتے ہیں اور انہی سے وہ مُلک فتح کرتے ہیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلعے مساجد ہوتے ہیں۔ جہاں سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی آواز سے دلوں کو فتح کیا جاتا ہے وہاں سے رات دن اذان کی گولہ باری

ہوتی ہے جو کفر و ظلمت کی خندقوں کو پاٹ کر دلوں کو دلوں سے ملا دیتی ہے۔ دُنیوی قلعوں سے لوگ خوف کھاتے ہیں۔ دُنیا کی بڑی سے بڑی حکومت بھی دوسری حکومت کو اپنے مُلک میں قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دیتی مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قلعہ ایسا ہے جو ہم ہر مُلک اور ہر علاقہ میں آسانی سے تعمیر کر سکتے ہیں اور اس طرح اسلام کی اشاعت کا سامان پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو یہ ہماری کوتاہی ہوگی۔

پس مَیں ایک دفعہ پھر جماعت کو تحریک کرتا ہوں کہ وہ بیرونی مُمالک میں تعمیرِ مساجد کی اہمیت کو سمجھے اور اس فنڈ میں مقررہ طریق کے مطابق بڑھ چڑھ کر حصّہ لے تاکہ ہم جلد سے جلد دُنیا کے ہر مُلک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلعے تعمیر کر سکیں۔

چندہ تحریک جدید

یہ ایک جہاد ہے اس لئے ہر احمدی کو اس میں حصّہ لینا چاہئے تم کوشش کرو کہ کوئی احمدی ایسا نہ رہے جو اس میں حصّہ نہ لے رہا ہو۔ اب یہ ضروری نہیں رہا کہ ہر سال اپنے چندہ میں اضافہ ہی کیا جائے اگر تمہاری آمدنی میں کمی واقع ہو گئی ہے تو بے شک چندے میں کمی کر دو لیکن حصّہ لینے سے محروم نہ رہو۔

صدر انجمن احمدیہ کی مالی حالت آجکل اس حد تک کمزور ہے کہ ماہوار تنخواہیں کارکنوں کو قرض لے کر دی جا رہی ہیں۔ گو اس میں انجمن کا اپنا بھی قصور ہے مگر بہر حال دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی مالی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کریں اور اس کا طریق یہ ہے کہ تمام دوست اپنا چندہ پوری باقاعدگی کے ساتھ ادا کریں اور جو لوگ چندہ نہیں دیتے ان سے وصول کریں۔ ابھی جماعتوں میں ایک خاصی تعداد ایسے افراد کی موجود ہے جو نادہند ہے۔ اگر ان کو توجّہ دلائی جائے اور ان سے چندہ وصول کیا جائے تو یقیناً ہمارے چندے میں بہت اضافہ ہو سکتا ہے اور انجمن کی مالی حالت مضبوط ہو سکتی ہے۔

اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی ضرورت

مُلک کی اقتصادی حالت کا بھی چندے سے گہرا تعلق ہے۔ اگر اقتصادی حالات بہتر ہوں تو یقیناً چندوں میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ مَیں نے اس دفعہ

شوریٰ پر یہ نصیحت کی تھی کہ اپنی اقتصادی حالت کو درست کرنے کے لئے احمدی تاجروں، زمینداروں اور پیشہ وروں کی الگ الگ تنظیم ہونی چاہیئے اور ان کے وقتاً فوقتاً اجلاس ہونے چاہئیں تاکہ وہ مل کر اپنی مُشکلات پر غور کر سکیں اور مَیں بھی انہیں ایسے طریق بتا سکوں جن سے وہ اپنی حالت کو بہتر بنا سکیں۔ اس وقت تک تو اس تجویز پر عمل نہیں ہو سکا مگر آئندہ سال ضرور اس پر عمل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اقتصادی حالت کی مضبوطی کا ہمارے چندوں اور ہماری تبلیغ سے گہرا تعلق ہے۔ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ جب یہ اجلاس بلائے جائیں تو اپنے اچھے سے اچھے نمائندے اس میں بھیجیں تاکہ آپ کی اقتصادی حالت درست ہو سکے"۔ (الفضل یکم و دو جنوری 1952ء)

1: مشکوٰۃ المصابیح صفحہ 480 مطبوعہ کراچی 1368ھ

2: الرعد: 39

3: میخانہ درد صفحہ 26 مطبوعہ 1344ھ

4: میخانہ درد صفحہ 17 مطبوعہ 1344ھ میں ان کا مکمل نام "نواب خاندوران خان صمصام الدولہ" لکھا ہے۔

5: میخانہ درد صفحہ 127، 128 مطبوعہ 1344ھ

6: تذکرہ صفحہ 37۔ ایڈیشن چہارم

7: تذکرہ صفحہ 37۔ ایڈیشن چہارم

8: تذکرہ صفحہ 70۔ ایڈیشن چہارم

9: تذکرہ صفحہ 70۔ ایڈیشن چہارم

10: تذکرہ صفحہ 731۔ ایڈیشن چہارم

11: تذکرہ صفحہ 749۔ ایڈیشن چہارم

12: تذکرہ صفحہ 707۔ ایڈیشن چہارم

13: تذکرہ صفحہ 653۔ ایڈیشن چہارم

14: الصّٰفّٰت: 148